باکسنگ کی دنیا کا جگمگاتا ستارہ
عامر خان

پاکستانی نژاد برطانوی باکسر کی جدوجہد اور سفرِ زیست

پہلی بار باکسنگ کے دستانے پہن کر پوز بناتے ہوئے

کیریئر کی اولین ٹرافی کے ہمراہ

علی ظریف

میں اپنے گھر کے مرکزی کمرے میں صوفے پر دراز تھا۔ یہ ایک خاصا کشادہ بنگلہ ہے جس کی تزئین و آرائش مکمل ہو چکی ہے۔ صبح کے وقت جم میں ایکسر سائز کرنے کے باعث میرے بدن میں کھچاؤ تھا۔ میں ایک میگزین کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔ میرا بھائی ہارون ٹی وی پر چچا اور والد کے ہمراہ ورلڈ کپ کا کوئی میچ دیکھ رہا تھا۔ یہ جون کی 15 تاریخ تھی اور انگلینڈ کا مقابلہ ٹرینیڈاڈ اینڈ ٹوباگو کے ساتھ تھا۔ یہ ایک فضول میچ تھا۔ اس وقت وائن رونی (Wayne Rooney) چہل قدمی کرتا نظر آیا۔ وہ تقریباً سات ہفتوں بعد ورلڈ کپ ڈیبیو کر رہا تھا کیوں کہ اس کا پاؤں زخمی ہو گیا تھا۔ میں مسکرا دیا۔ میری اس سے زیادہ ملاقات نہیں رہی تھی۔ وہ ایک بہتر نوجوان دکھائی دیا۔ کچھ روز قبل میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ مجھے رونی کے بھائی یا اس کے کسی عزیز نے شکست دی تھی۔ یہ خبر غلط تھی۔ مجھے امیچور مقابلوں میں صرف 9 (نو) بار شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس فہرست میں رونی نام کا کوئی شخص شامل نہیں تھا۔

اخبارات میں میرے معاشقوں اور پارٹیوں میں شرکت کی خبروں نے مجھے پریشان کر دیا۔ میری یہ شدید خواہش رہی کہ میں بگڑے لڑکیوں کے ساتھ آؤٹنگ پر جا سکتا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لوگ فوری طور پر حتمی آراء کا اظہار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے جب یہ خودنوشت لکھنا شروع کی تو لوگوں نے کہا کہ تمہاری عمر محض 19 برس ہے اور اس قدر اوائل عمری میں سوانح عمری لکھنے کی ضرورت کیوں کر آن پڑی؟ وہ بالکل درست تھے۔ یہ میری خودنوشت نہیں ہے۔ یہ میری کتاب زیست کا پہلا باب ہے۔ اولمپکس میں کوالیفائی کرنے کے بعد کے دو برسوں کے دوران میری زندگی میں حیرت انگیز تبدیلیاں آئی ہیں۔ اخبارات اور جرائد کے مدیران یہ تصور کرنے لگے ہیں کہ میرے بارے میں مضامین لکھے جائیں۔ ان دنوں ہی مجھ پر یہ ادراک ہوا کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو میری حقیقی زندگی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل کرنے کے خواہاں ہوں گے اور یہ کہ میں کیا پسند کرتا ہوں، میرا کہاں سے تعلق ہے اور میں کون ہوں؟

یہ ایک عام سی کہانی دکھائی دیتی ہے۔ برطانیہ کے ایک محنت کش خاندان کا نوجوان جس نے کھیلوں کی دنیا پر دستک دی۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ میری کہانی کو میرا پس منظر انفرادیت عطا کرتا ہے۔ میں برطانوی شہری ہوں اور بولٹن میں پیدا ہوا لیکن میرے آباؤ اجداد ایشیائی اور پاکستانی ہیں اور میں ایک مسلمان خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے جب اپنے کیریئر کا آغاز کیا تو اس وقت کوئی ایشیائی باکسر نہیں تھا اور اب بھی یہ تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے پس منظر کی وجہ سے بھی تعصب کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہ کہانی میری زندگی کے ان ماہ و سال کا احاطہ کرتی ہے جب میں نے باکسنگ شروع کی اور اپنے اولین امیچور مقابلے کے محض چھ برس بعد ہی اولمپکس کے لیے کوالیفائی کرنے میں کامیاب رہا۔ نائن الیون کے بعد اور خاص طور پر جولائی 2005ء میں لندن میں ہونے والے بم دھماکوں کے بعد ایشیائی شہریوں کی مشکلات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ بم دھماکے میرے پیشہ ورانہ کیریئر کے آغاز سے کچھ روز قبل ہوئے۔ میں نے ان بم دھماکوں کی مذمت کی۔ میرے فہم کے مطابق ایسی کسی پرتشدد کارروائی کا میرے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

میرے دادا لال خان کا تعلق راولپنڈی کے نواحی گاؤں مٹور سے تھا۔ وہ 1963ء میں بے سروسامانی کی حالت میں برطانیہ آئے اور بریڈ فورڈ میں آلوؤں کی کاشت کاری کرنے لگے۔ زیرِ نظر تحریر میں آپ ان کی جدوجہد کے ہر رنگ سے آشنا ہوں گے۔ دوسری جانب باکسنگ میرے خوابوں کی تعبیر کا باعث بنی۔ میں نے ایک خوبصورت گھر خریدا، جدید ماڈل کی گاڑیاں زیرِ استعمال ہیں اور بیرون ملک چھٹیاں گزارتا ہوں۔ میں بولٹن میں آوارہ گردی کرنے والے بچوں کے گروہ کا حصہ بن سکتا تھا، وہ منشیات کے عادی تھے اور اکثر پولیس ان کی تاک میں رہتی لیکن میرے والد نے مجھے ان سے دور رکھا اور آٹھ برس کی عمر میں ہی میرا ایک باکسنگ کلب میں داخلہ کروا دیا۔

ایتھنز اولمپک میں کم عمری میں ہی چاندی کے تمغے کا حصول اس کہانی کا ایک اور رخ ہے جو میں اپنے قارئین کو دکھانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں کہ مجھے اپنا مشغلہ پورا کرنے کا معاوضہ ملتا ہے اور ایسی مثالیں بہت زیادہ نہیں ہیں۔ میں نے ایک طویل سفر طے کیا ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ باکسر ہونا میرے لیے اس قدر عزت افزائی کا باعث ہو گا۔ میں نے باکسنگ کے سات مشکل مقابلوں میں حصہ لیا اور ہر ایک میں اپنی کارکردگی کو بہتر کیا۔ چند ماہ میں ہی میری رینکنگ 59 ہو گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میں اپنی زندگی کے نئے دور میں داخل ہو رہا ہوں اور برطانوی، یورپی اور عالمی ٹائٹل اپنے نام کر سکتا ہوں۔ شاید ایک برس قبل میں اسی صوفے پر بیٹھا تھا جب میں نے اولین چیمپئن شپ بیلٹ پہن رکھی تھی۔

میں اپنی زندگی کے دوران کبھی کسی سے خوف زدہ نہیں ہوا۔ میں ماریو کانڈلان (Mario Kindelan) کے ساتھ رنگ میں اترا۔ وہ باکسنگ کی تاریخ کے عظیم ترین امیچور باکسرز میں سے ایک ہیں۔ 17 برس کی عمر میں اولمپکس میں چاندی کا تمغہ جیتا اور اکثر اوقات اپنے سے دگنی عمر کے باکسرز کے ساتھ مقابلہ کیا۔ میں نے خاصی جدوجہد کے بعد اپنا راستہ بنایا اور اس پر سفر جاری رکھا۔ میرا خیال ہے کہ جب میں نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو میرا رجحان اسی جانب تھا۔ میں اپنی جھگڑالو طبیعت کے باعث ہمیشہ مشکلات کا شکار رہتا۔ یہ صورت حال اس وقت تبدیل ہوئی جب میں نے باکسنگ کا آغاز کیا۔ میں نے اپنی تر توانائیوں کو باکسنگ کے کھیل میں صرف کر دیا۔

میں اپنی پیدائش کے چند ہفتوں بعد شدید بیمار ہو گیا۔ میرے والدین مایوس ہو گئے لیکن خوش قسمتی سے میں صحت یاب ہو گیا جس کے باعث سب اہل خانہ اور خاص طور پر میری دادی ماں اقبال بیگم میرا خاص خیال رکھتیں جس کے باعث میں یہ تصور کرنے لگا کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں۔ میری بہنیں تابندہ، ماریہ اور بھائی ہارون میری نسبت کم غصیلے تھے۔ وہ خاموشی سے اپنا کام کرتے لیکن میں سرکش اور ضدی طبیعت کا حامل تھا۔ بہت سے پاکستانی تارکین وطن کی طرح میرے دادا روشن مستقبل کی تلاش میں برطانیہ آئے تھے اور جلد ہی وہ اپنے بچوں اور اہلیہ کو برطانیہ بلانے کے قابل ہو چکے تھے۔ میرے والد شاہ کی عمر اس وقت نو (9) برس تھی۔

میں ہمیشہ یہ سوچتا ہوا بڑا ہوا کہ سب انسان ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ میں نے کبھی اپنی جلد کے رنگ پر غور نہیں کیا۔ میرا نام عامر تھا جو کسی بھی دوسرے بچے کی طرح شرارتی تھا۔ ظاہر ہے کہ میں نسل پرستی کے بارے میں آگاہی رکھتا تھا لیکن یہ کبھی میرے خاندان کے لیے مسئلہ نہیں رہی۔ والد کا گاڑیوں کی مرمت کا گیراج ہے۔ ایک چچا شاہد پولیس اور دوسرے چچا طاہر آئی ٹی کے ماہر ہیں۔ ہماری زندگی کوئی بہت زیادہ غیر معمولی نہیں ہے۔ مجھے اپنی پاکستانی میراث پر فخر ہے لیکن میں ایک برطانوی شہری بھی ہوں۔

میری شرارتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ چار برس کی عمر میں میری ایک بس سے ٹکر ہو گئی۔ فوری طور پر قریبی ہسپتال لے جایا گیا جہاں سے مجھے اسی دن ڈسچارج کر دیا گیا۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے کہا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ شاید میری ایک ٹانگ دوسری سے چھوٹی رہ جائے جس کے باعث باقاعدگی سے ورزش شروع کر دی جو بہت تکلیف دہ ہوتی۔ ایک بار اپنی بہن تابندہ کی سائیکل کو ڈھلوانی سڑک سے نیچے پھینک دیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں کر کیا؟ شاید میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ سائیکل سوار کے بغیر کہاں تک جاتی ہے۔ یہ سڑک پر لڑھکتی رہی اور بالآخر ایک گاڑی نے اسے کچل دیا۔ میرے والدین میری اس حرکت پر خوش نہیں ہوئے بلکہ اب مجھے زیادہ پابندیوں کا سامنا کرنا تھا۔ جب میرے کزنز اور دوست کھیل رہے ہوتے تو مجھے گھر میں بند کر دیا جاتا جو میرے لیے ایک طرح کا تشدد تھا۔ والدین کا خیال تھا کہ اس طرح مجھے سبق حاصل ہو گا لیکن یہ ان کی محض خام خیالی تھی کیوں کہ میری شرارتوں کا یہ سلسلہ گھر میں بھی جاری

A Boy from Bolton: My Story

AMIR KHAN

WITH A FOREWORD BY BARRY McGUIGAN

عامر خان ایتھنز اولمپکس میں چاندی کا تمغہ حاصل کرنے والے کم عمر ترین پاکستانی نژاد برطانوی باکسر تھے۔ 2005ء میں انہوں نے پروفیشنل باکسنگ کا آغاز کیا اور اولین مقابلے میں 109 سیکنڈز میں فتح حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ عامر کا موازنہ باکسنگ کے عبقری ورلڈ چیمپئن سوگر رے رابنسن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ بولٹن میں اپنے خاندان کے ہمراہ قیام پذیر ہیں اور رمضان میں روزے رکھتے ہیں۔ عامر خان محنت پر یقین رکھتے ہیں اور 21 ویں صدی کے حقیقی ہیرو ہیں۔ وہ پاکستان کی تہذیب و ثقافت کے غیر رسمی سفیر بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی خودنوشت "A Boy from Bolton: My Story" میں اس نوجوان کی کہانی بیان کی ہے جو عالمی سطح کا ایک باکسر بننے میں کامیاب رہا۔ یہ ان کی کتاب زیست کا اولین باب ہے اور امید ہے کہ ان کی کامیابیوں کا یہ سفر جاری رہے گا۔ قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر عامر خان کی خودنوشت کا تلخیص و ترجمہ پیش خدمت ہے۔

رہا۔ میں اپنے چچا طاہر کا مالٹے کا جوس پی جاتا اور بوتل میں پانی بھر دیتا لیکن یہ شرارت والدہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ جب پانچ برس کے سن کو پہنچا تو گھر کی چھت پر چڑھ گیا۔ میں دیوار پر چڑھا اور ڈرین پائپ کا سہارا لے کر چھت تک پہنچ گیا۔ میری دادی ماں یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے نیچے آنے کے لیے کہا لیکن میں کتنی ہی دیر وہاں کھڑا رہا۔ دادی ماں نے کہا کہ وہ والد صاحب سے شکایت کریں گی۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے کھیلنے کودنے پر پابندی لگ جاتی تھی اور سب سے زیادہ اسی سے ڈرتا تھا۔ چناں چہ فوری طور پر چھت سے نیچے اتر آیا۔ میری یہ سرکش طبیعت باکسنگ کے رنگ میں خاصی کام آئی لیکن اسکول میں اساتذہ مجھ سے خاصا پریشان رہا کرتے۔ ایک نرسری سکول سے اس لیے نکالا گیا کہ میں اپنے اساتذہ کی بات نہیں مانتا تھا۔

ان دنوں ہی میرا باکسنگ جم میں داخلہ کروا دیا گیا جو ایک خستہ حال فیکٹری کے وسط میں قائم تھا۔ یہ ایک نیم تاریک اور گرد آلود جگہ تھی۔ باکسنگ رنگ کی حالت انتہائی ابتر تھی۔ پرانے دستانے استعمال کیے جاتے تھے اور فضا میں پسینے کی بو رچی بسی تھی جس سے مجھے خاص انسیت محسوس ہونے لگی۔ لوگ آئینوں کے روبرو کھڑے ہو کر کے بازی کر رہے تھے۔ اس کلب کا سرپرست ٹومی جٹل تھا، اور وہ باکسنگ کے ایک بہترین کوچ کے طور پر معروف تھا۔ ابتدا میں مجھے حیرت ہوئی کہ یہ سب لوگ کیوں کر اچھل کود کر رہے ہیں؟ مجھے یہ ایک بے ہودہ سرگرمی دکھائی دی۔

اس دوران تقریباً ایک برس تک میرا باکسنگ جم جانا نہیں ہوا۔ میں گھر پر ہی تربیت حاصل کرتا رہا۔ جب گیارہ برس کا ہوا تو ایک بار پھر کلب میں داخل کروا دیا گیا۔ گیارہویں سالگرہ کے تین روز بعد میرا اولین امیچور مقابلہ ہوا۔ میں بہت زیادہ پرجوش تھا۔ میرے چچا ان لمحات کو ریکارڈ کرنے کے لیے اپنے ہمراہ کیمرہ لائے تھے۔ تماشائیوں میں صرف میرا خاندان ہی ایشیائی تھا۔ میرا قد چھوٹا تھا اور میں موٹا تھا۔ میرا مخالف مارک جانز بھاری بھرکم تھا جس پر میرے والد کو خاصی تشویش تھی۔ وہ اس سے قبل دو تین مقابلوں میں حصہ لے چکا تھا۔ میں نے والد سے کہا کہ مجھے کوئی ڈر یا خوف نہیں ہے۔ بالآخر مقابلے کا آغاز ہوا۔ اس رات میرا کوچ ٹونی تھا۔ اس نے اولین راؤنڈ کے اختتام پر کہا کہ میں بہتر کھیل پیش کر رہا ہوں۔ تیسرے راؤنڈ کے آغاز پر مارک کے لیے مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ میں تکنیکی بنیادوں پر فاتح قرار پایا۔ ایک بڑی ٹرافی انعام کے طور پر دی گئی۔ مجھے یہ سب ایک خواب سا لگ رہا تھا۔ بہرحال یہ ادراک ہو گیا کہ باکسنگ کا کھیل میری ذات کا لازمی جزو بن گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں صرف چھ برس بعد ہی ایتھنز اولمپکس کے فائنل میں ماریو کانٹلان کے خلاف معرکہ آراء تھا۔ میرے وہم و گمان میں ایسا کچھ نہیں تھا۔ میرے والد خوش تھے اور مجھے ایک ایسا مشغلہ مل گیا تھا جو مجھے پسند تھا اور شرارتوں سے دور رکھتا تھا۔

کیریئر کے آغاز سے ہی مجھے خاندان کا تعاون حاصل رہا۔ والد اور چچا میرے ہر مقابلے میں تماشائیوں کی نشستوں پر موجود ہوتے۔ میں خاندان کی مدد کے بغیر ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا تھا۔ میری اولین فتح نے سب کے سر فخر سے بلند کر دیے تھے اور اعتماد میں اضافہ ہوا تھا۔ میرا دوسرا مقابلہ فروری 1998ء میں راٹن سٹال (Rawtenstall) میں ہوا۔ میرے سب جاننے والے تماشائیوں کی صف میں موجود تھے۔ میرا مدمقابل گیری ہارٹ تھا جو قد میں تقریباً ایک فٹ لمبا تھا۔ میں ایک بار پھر فتح یاب رہا۔ میرے تیسرے مقابلے کے نتائج بھی کچھ مختلف نہیں تھے جو ایک ماہ بعد لیک ڈسٹرکٹ کے علاقہ کینڈل میں ہوا اور میرا حریف جیک مورلے تھا۔ میں نے تیسرے راؤنڈ میں اسے مکمل طور پر بے بس کر دیا اور سوچا کہ شاید میں نے اس کے دانت توڑ دیے ہیں۔ میرے لیے صورت حال اس وقت زیادہ خراب ہو گئی جب میں اپنے سے کئی گنا زیادہ تجربہ کار باکسرز کے ساتھ رنگ میں اترنے لگا اور غیر متوقع طور پر مسلسل تین شکستوں سے دوچار ہوا۔

اپنے کیریئر کی اولین شکست لیورپول کے ایک باکسر مارک انسورتھ سے ہوئی۔ یہ ایک حقیقی شکست تھی اور میں اس پر شکایت کناں نہیں ہوں۔ وہ میرے سے زیادہ تجربہ کار تھا۔ میرا قبل ازیں اس قدر ماہر باکسر سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ میں نے دوران کھیل محسوس کیا کہ میں تھک گیا ہوں۔ جب آپ شکست سے دوچار ہو رہے ہوتے ہیں تو ہمیشہ ایسا ہی محسوس کرتے ہیں۔ بعدازاں ہم دونوں کا مزید چار بار باکسنگ رنگ میں سامنا ہوا۔ دوبارہ شکست میرا مقدر ٹھہری، اگرچہ میرے والد کا خیال تھا کہ میں کامیاب رہا ہوں۔ بعدازاں میں نے اسے لگاتار تین بار شکست سے دوچار کیا اور آخری شکست کے بعد انسورتھ نے ریٹائرمنٹ لے لی۔

میرا اگلا مقابلہ چورلے (Chorley) کے ایک باکسر پالمر سے ہوا جس کا انعقاد مانچسٹر یونائٹڈ گراؤنڈ میں کیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ مقابلہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ بہت زیادہ تنومند تھا۔ کوچ کو چاہیے تھا کہ وہ یہ مقابلہ شروع نہ کرواتا۔ میں اس کے سامنے بے بس کھڑا تھا اور فطری طور پر مجھے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اگلا مقابلہ مانچسٹر میں ہوا۔ میرا مدمقابل عمر میں مجھ سے ڈیڑھ برس بڑا تھا۔ باکسنگ کے ان مقابلوں میں رنگ میں اترنے والے کھلاڑیوں کی عمروں میں زیادہ سے زیادہ فرق گیارہ ماہ کا ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ خاصا زبردست رہا لیکن مجھے اکثریت کی رائے پر شکست سے دوچار کر دیا گیا۔ والد نے کہا کہ یہ کسی دوسرے جم میں شامل ہونے کا بہترین وقت ہے۔ ہم نے بری (Bury) میں قائم ایک امیچور باکسنگ کلب کے بارے میں سن رکھا تھا اور اسے کک جیلی چلاتا تھا۔ ہم خاصی تلاش و بسیار کے بعد اس کلب تک پہنچ پائے۔ یہ کلب کسی عارضی پناہ گاہ سے مماثل تھا۔ بارش کے دنوں میں کلب میں خاصا پانی جمع ہو جاتا۔ ان تمام مسائل کے باوجود یہ باکسنگ کے لیے ایک شاندار جگہ تھی۔ کک کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ ہو گی۔ وہ یہ کلب گزشتہ چار دہائیوں سے چلا رہا تھا۔ اس سے قبل اس کے والد کی نگرانی میں یہ کلب چلتا رہا جو اس کے بھائیوں کی طرح ایک بہترین امیچور باکسر تھے۔ کک کی زیر نگرانی مجھے ایک مختلف دنیا دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ بہت زیادہ باتونی تھا لیکن جب تربیت دے رہا ہوتا تو عموماً خاموش رہتا۔ کک کے کلب میں میرے لیے سب کچھ نیا تھا۔ میں قدرے شرمیلا تھا۔

کک نے کچھ عرصہ کے بعد کہا کہ اگر تم اپنے موٹاپے پر قابو پا لو اور میری ہدایات پر عمل کرو تو میں تمہیں چیمپئن بنا دوں گا۔ وہ ایک بہترین انسان تھا۔ میں کلب کا واحد رکن تھا جو مستقل مزاجی سے باکسنگ میں اپنا کیریئر بنانے کی جستجو کر رہا تھا۔ میری حوصلہ افزائی کے لیے گھر سے کوئی نہ کوئی فرد ہمہ وقت موجود ہوتا۔ کلب کے اراکین میں چند ایشیائی بچے بھی شامل تھے لیکن میں سب سے کم عمر اور پرجوش تھا۔ اگر میں کسی مقصد کا تعین کر لیتا تو اسے حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن سعی کرتا۔ میں سکول میں بھی ایک مثالی طالب علم ثابت ہوا۔ میرے اساتذہ مجھ سے خوش تھے۔ اپنا کام وقت پر کرتا اور کسی قسم کی کوئی شرارت نہیں کرتا تھا۔ میرا اسکول میں کوئی بہترین دوست نہیں تھا بلکہ باکسنگ کے لیے استعمال ہونے والے دستانے میرے ہمراز تھے۔ میری زندگی پر باکسنگ کا گہرا اثر تھا۔ سکول میں بچے مجھ سے خائف رہا کرتے لیکن سکول میں میری کبھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

میں اپنے چچا زاد بھائیوں کے خاصا قریب تھا۔ ہم کرکٹ کھیلا کرتے۔ میرا ایک کزن ساجد لنکا شائر میں گیند باز کے طور پر معروف تھا لیکن ہمارے لیے اسے آؤٹ کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ میں نے اپنی پوری توجہ باکسنگ کے کھیل پر مرکوز کر رکھی تھی۔ کلب میں کچھ بچے اچھا کھیل پیش کرتے تھے۔ ان میں ترقی کرنے کی صلاحیت تھی لیکن اکثر اوقات صلاحیت کا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔ آپ کو قربانیوں کے لیے تیار رہنا ہوتا ہے۔ باکسنگ آسان کھیل نہیں ہے۔ میرے پیش نظر ایک مقصد تھا۔ میں ہر پانچ منٹ بعد باکسنگ رنگ میں اترنا چاہتا تھا۔ کک میری بہترین طور پر تربیت کر رہا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی کہ میں ہر دو ہفتے بعد باکسنگ رنگ میں اتروں۔ میں نے آسان معمول کا انتخاب نہیں کیا اور ہر ایک کے ساتھ مقابلہ کیا۔ میں جنوری 1999ء سے مارچ 2000ء تک 17 مقابلوں میں ناقابل شکست رہا۔

اس دوران میرا قومی چیمپئن کلارک سے مقابلہ ہوا۔ اس کی ایک بہترین باکسر کے طور پر ساکھ قائم تھی۔ میں نے اس کی کامیابیوں کے سفر کو روک دیا جس نے لوگوں کو حقیقتاً متاثر کیا۔ کلب کی سطح پر ہونے والے اکثر مقابلے جوئے کی طرح ہوتے تھے جس کا ادراک مجھے اس وقت ہوا جب میرا مقابلہ ایک بچے ایڈم کنگ سے ہوا جس کے سکور کا اندراج کرنے والے آفیشل نے حیران کن طور پر میری شکست کا اعلان کر دیا۔ اس پر ایڈم کے کوچ نے ذاتی طور پر مجھ سے معذرت کی۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ لیکن ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب میرے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے کوئی کھلاڑی تیار نہیں تھا۔ بچے میرا سامنا کرنے سے کترانے لگے تھے۔ وہ اپنا وزن بڑھاتے یا کم کرتے تاکہ انہیں میرے مقابل نہ آنا پڑے۔

میری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کروں۔ باکسنگ میرے لیے محض ایک کھیل نہیں رہی تھی۔ میں ایک سٹار بننا چاہتا تھا۔ تربیت سے میری کارکردگی میں نکھار آیا اور کامیابیاں میرے اعتماد میں اضافے کا باعث بنتی رہیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں ناقابل شکست ہوں۔ ہر بار میڈل یا ٹرافی حاصل کرنے میں کامیاب رہتا اور مقامی اخبارات اور سکول میں اس کا تذکرہ ہوتا۔ شکست سے بھی دلبرداشتہ نہیں ہوا بلکہ اگلی بار فتح حاصل کرنے کے لیے میری کوششوں میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ میں نے جونیئر ٹائٹل میں کامیابی حاصل کی جس کے بعد میرا ہر سطح کے قومی مقابلوں میں فتح کا سلسلہ جاری رہا۔ میں نے برطانیہ میں ہر باکسر کو شکست سے دوچار کیا اور باکسنگ کے امیچور حلقوں میں خاصا مشہور ہو گیا۔ تماشائی میرے مقابلوں کی ویڈیوز بناتے تاکہ بچے ان کو دیکھ کر تربیت حاصل کر سکیں۔

میں نے ایک بار مشہور باکسر نسیم حمید کو خط لکھا لیکن کوئی جواب موصول نہیں ہوا جس کے باعث میری ان کے حوالے سے پسندیدگی میں کمی آ گئی۔ اگرچہ ہم پیشہ ورانہ ساتھی رہے لیکن میں اس واقعہ کو کبھی فراموش نہیں کر پایا۔ میں نے کبھی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا۔ اگر کبھی کسی نے مجھے خط لکھا تو میں نے اسے ہمیشہ جواب دیا۔ میں نے کبھی اپنے کسی مداح کو مایوس نہیں کیا۔ مجھے یہ آگاہی تھی کہ نظرانداز کیا جانا کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جب لوگ مجھ پر فقرے کستے تو میں اس وقت بھی مسکرا دیتا کیوں کہ میں یہ سیکھ چکا تھا کہ ہر ایک کو خوش کرنا ممکن نہیں ہے۔

اولمپکس میں شریک ہونے سے قبل حاصل ہونے والی شہرت زیادہ پریشانی کا باعث نہیں بنی تھی۔ میں محض امیچور باکسنگ حلقوں میں معروف تھا۔ لیکن یہ خاصا سنسنی خیز تھا کہ واقعات بہت تیزی سے رونما ہوئے۔ ایک برس کے دوران میں نے تین اہم قومی ٹائٹل اپنے نام کیے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا پہلے کبھی ہوا تھا۔ میرا اولین عالمی مقابلہ اپس وچ (Ipswich) میں 48 کلوگرام کی کیٹیگری میں سکاٹ لینڈ کے ایک بچے سے ہوا۔ میں ایک بار پھر پورے ٹورنامنٹ میں واحد ایشیائی تھا۔ میں نے اپنے موٹاپے پر قابو پا لیا تھا اور خاصا دبلا پتلا ہو گیا تھا۔ رنگ میں میرے مدمقابل کھلاڑی کا خیال تھا کہ مجھے شکست دینا آسان ہو گا لیکن میں اس شام کا فاتح رہا۔ مجھے برطانیہ کی جانب سے ڈیبیو کرنے والے بہترین باکسر کے اعزاز سے نوازا گیا۔ یہ ایک خوش گوار احساس تھا۔ میرا انداز اور پس منظر دوسروں سے مختلف تھا۔ میں اس نوعیت کی کامیابیاں حاصل کر رہا تھا جو میرے پس منظر کا حامل کوئی باکسر حاصل نہیں کر سکا تھا۔ بہت سے لوگوں کے لیے اس کی اہمیت کچھ اور وجوہات کی بنا پر بھی تھی جن کا ادراک مجھے اولمپکس کھیلوں کے دوران ہوا جب نوجوان ایشیائی اور پاکستانی کھلاڑی لندن میں روپوش ہو گئے۔

پریسٹن میں ایک مقابلے کے دوران مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ مانچسٹر کے نارتھ سائیڈ کلب کا باکسر باؤلر میرے مدمقابل تھا۔ میں پہلے دونوں راؤنڈز میں کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ اس وقت نارتھ سائیڈ کلب کے حامی مایوس ہو گئے اور ان میں سے ایک رنگ تک پہنچنے میں کامیاب رہا اور مجھ پر چلانے لگا۔ اس کے چہرے سے حقیقی نفرت جھلک رہی تھی۔ میں اپنے پورے کیریئر کے دوران ایسے کسی تجربے سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ باؤلر کے ایک حامی نے مقابلے کے آخری راؤنڈ میں میرے قدموں پر تھوکا۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ مقابلہ آسانی سے جیت گیا۔ بعدازاں کک اور میرے والد نے ایسوسی ایشن میں اس بارے میں شکایت کی۔ میرا نہیں خیال کہ میں نسل پرستی کا نشانہ بنا تھا بلکہ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میرا مدمقابل کھلاڑی شکست سے دوچار ہو رہا تھا۔ میرے والد اور چچا اس صورت حال پر حقیقتاً پریشان ہو گئے۔ بعدازاں باؤلر اور اس کے کوچ نے ہم سے معذرت کر لی اور ہمارا تعلق ہنوز قائم ہے۔ میرے کیریئر کے لیے یہ انتہائی اہم تھا کہ میں انگلینڈ کی نمائندگی کرتا۔ ایک باکسر کے طور پر میری تربیت مکمل ہو چکی تھی۔ میں نے مختلف سرگرمیوں کو بظاہر آسانی کے ساتھ انجام دیا لیکن اس میں میری سخت محنت بھی شامل تھی۔

(جاری ہے)

بڑی بہن تابندہ کے ساتھ ایک یادگار تصویر

بہن بھائیوں کے ہمراہ پاکستان کی سیاحت پر

باکسنگ جم میں شمولیت شرارتوں کی سزا تھی

میں سکول میں ایک شرارتی طالب علم کے طور پر مشہور ہو گیا تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی سے جھگڑتا رہتا۔ میری اپنے ہم عمر طالب علموں کے ساتھ اکثر و بیشتر تو تکرار ہو جاتی اور اگر اس کا کوئی بھائی یا دوست اسے بچانے کے لیے آتا تو میں خوف زدہ نہیں ہوتا تھا۔ جب بھی میری غیر موجودگی میں گھر پر فون کی گھنٹی بجتی تو میرے والد اپنا کوٹ پہنتے اور گاڑی کی چابیاں لے کر مجھے بچانے کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ ایک روز والد کام سے واپس آئے تو انہوں نے غیر متوقع طور پر پوچھا کہ کیا میں باکسنگ جم جانا پسند کروں گا؟ ظاہر ہے کہ میرے والد میری شرارتوں سے پریشان تھے اور میری توانائیوں کو مثبت رخ دینا چاہتے تھے۔ یہ شاید میرے والد کا بہترین فیصلہ تھا۔ میں باکسنگ جم جوائن کرنے کے حوالے سے تذبذب کا شکار تھا۔ میری والدہ اور دادی ماں نے بھی اس فیصلے کی شدید مذمت کی۔ ان کو یہ خوف تھا کہ میں جب گھر واپس آؤں گا تو میری ناک زخمی ہو گی۔ میرے والد اور چچا دونوں نے جھوٹ بولا اور کہا کہ وہ بھی بچپن میں باکسنگ جم جاتے رہے ہیں اور یہ کہ مجھے یہ سرگرمی پسند آئے گی۔ بالآخر میرا ایوننگ کے ایک باکسنگ کلب میں داخلہ کروا دیا گیا۔ یوں میری شرارتوں کے دن ختم ہو گئے۔

کسی کو مارنا درست نہیں لیکن……

ہفتے میں دو روز باکسنگ کلب کا رخ کیا کرتا۔ میں نے اپنا ذاتی سامان خریدنا شروع کر دیا تھا اور کلب کا کم عمر ترین رکن تھا۔ مجھے باکسنگ رنگ میں اترنے کے لیے تقریباً ایک برس تک انتظار کرنا پڑا۔ جب میں رنگ میں اترا اور میری وجہ سے مخالف کھلاڑی کا خون بہہ نکلا تو کچھ پریشان ہو گیا۔ ذہن میں سب سے پہلا خیال یہی آیا کہ میں مشکل میں پھنس چکا ہوں۔ میں خوف زدہ تھا کہ اس کے والدین شکایت لے کر میرے گھر آئیں گے اور شاید مجھے گرفتار کر لیا جائے۔ یہ تمام خیالات میرے ذہن میں گردش کرتے رہے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر میرا کوچ میرے پاس آیا اور شاباش دی۔ دوسری جانب گھر میں ہمیشہ مجھے یہ بتایا جاتا کہ کسی کو مارنا درست نہیں ہے جب کہ کلب میں میری ایسا کرنے پر حوصلہ افزائی کی جاتی۔ شروع کے دنوں میں یہ صورت حال خاصی پیچیدہ ہو گئی۔ میں باکسنگ کے اپنے ابتدائی مقابلوں میں یہ سوچتا رہا کہ کیا مجھے اپنے مخالف کھلاڑی کو مارنا چاہیے یا نہیں؟ لیکن جب انہوں نے میرے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی تو جب میں فطرتاً جوابی طور پر حملہ آور ہوا۔ آنے والے دنوں میں باکسنگ ہی میرا اوڑھنا بچھونا بن گئی۔ میری تربیت کا سلسلہ گھر پر بھی جاری رہتا۔ میں باکسنگ سے متعلق مختلف ویڈیوز دیکھتا۔ میرے لیے باکسنگ ایک بالکل نیا تجربہ تھا اور میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دوسرے باکسرز کس طرح کا کھیل پیش کرتے ہیں۔ محمد علی میرے پسندیدہ باکسر تھے۔ مجھے کم عمری کے باعث باکسنگ کے مقابلوں میں حصہ لینے کی اجازت نہیں مل سکی۔ چناں چہ کراٹے کی تربیت لینا شروع کر دی۔ پہلے ہی روز ایک لڑکی نے چہرے پر گھونسا رسید کر دیا۔ لیکن میں نے خود پر قابو رکھا کیوں کہ وہ ایک لڑکی تھی اور میں اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

(قسط نمبر 2)

باکسنگ کی دنیا کا جگمگاتا ستارہ عامر خان

پاکستانی نژاد برطانوی باکسر کی جدوجہد اور سفرِ زیست

علی ظریف

ٹک ایک زبردست کوچ تھا جو بچوں کی تربیت ان کے فطری انداز کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا کرتا۔ وہ بنیادی اصول سکھاتا لیکن زبردستی کچھ ٹھونستا نہیں تھا۔ میری جھگڑالو فطرت کا میری کامیابیوں میں خاصا عمل دخل رہا۔ میں باکسنگ کے جسمانی پہلوؤں سے متاثر تھا۔ ٹک نے میری صلاحیتوں کا ادراک کرلیا اور وہ ان میں مزید نکھار لایا۔ اس کے تربیتی سیشن خاصے مشکل ہوا کرتے لیکن میں ان سے لطف اندوز ہوتا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں ٹک کی سرپرستی حاصل کرنے میں کامیاب رہا اور میرے لیے وہ انتہائی اہم ہے، اگرچہ اب وہ میری کوچنگ نہیں کرتا۔ اگر ٹک کہتا کہ میں ایک میل دوڑ لگاؤں تو میں دو میل دوڑتا۔ اگر میرے لیے ممکن ہوتا تو میں 24 گھنٹے تربیت میں مشغول رہتا۔ باکسنگ رِنگ میں اترنا ایک چیلنج کے مانند ہے، خواہ آپ چیمپئن ہی کیوں نہ ہوں۔ جب میں مسلسل تین مقابلوں میں شکست سے دوچار ہوا تو میں نے دلبرداشتہ ہونے کی بجائے زیادہ محنت کی اور میرا خود پر یقین متزلزل نہیں ہوا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ میں کس قدر محنت کر رہا ہوں۔

لوگ مجھے رِنگ میں دیکھنے کے لیے بے چین رہا کرتے، حتیٰ کہ خاندان کے افراد کے لیے ٹکٹ خریدنا مشکل ہو جاتا۔ اسی دوران غیر متوقع طور پر ایک واقعہ رونما ہوا جب امیچر باکسنگ ایسوسی ایشن نے مجھے 2003ء میں ہونے والی ورلڈ کیڈٹ چیمپئن شپ میں بھیجنے سے انکار کردیا۔ اگر ان کا فیصلہ مختلف ہوتا تو شاید میں ایتھنز اولمپکس میں شریک نہ ہو پاتا۔ اس وقت میری عمر 16 برس تھی۔ انہوں نے میری کم عمری کو جواز بنایا اور امریکہ میں ہونے والی جونیئر اولمپکس میں شرکت کے لیے بھیج دیا۔ بہ ظاہر یہ کھیلوں کا ایک بڑا ایونٹ دکھائی دیتا ہے لیکن ورلڈ کیڈٹ چیمپئن شپ کے مقابلے میں اس کی اہمیت خاصی کم ہے۔ بہرحال اختتام پر یہ لوگوں کی توقعات کے برعکس انتہائی اہمیت اختیار کر گیا۔

میں جولائی 2003ء میں جونیئر اولمپکس میں شرکت کے لیے لوزیانا پہنچا۔ میں نے مایوسی پر قابو پا لیا تھا اور امیچور تھی۔ میں نے ہر بازی اپنے نام کی اور ایک بار پھر بہترین باکسر کا اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

ایسوسی ایشن کے حکام کی تشفی نہیں ہوئی۔ یہ صورتِ حال میرے لیے انتہائی مایوس کن تھی۔ میں آگاہ تھا کہ اولمپکس میں امریکہ کی نمائندگی کرسکتا ہوں لیکن ایک اور امکان موجود تھا اور میں اپنے آباؤ اجداد کے ملک پاکستان کی جانب سے کھیل سکتا تھا۔ لیکن میری خواہش تھی کہ برطانیہ کی جانب سے رِنگ میں اتروں اور میں اس کے لیے تیار تھا۔ آخری لمحات میں ایسوسی ایشن نے اپنے فیصلے میں لچک دکھائی اور میری فٹنس اور موزونیت کا جائزہ لینے کے لیے شیفیلڈ میں منعقد کیے جانے والے سینئر ٹریننگ کیمپ میں بھیج دیا۔ سینئر سکواڈ کے کوچ ٹیری ایڈورڈز تھے جو تربیتی کیمپ میں میری کارکردگی سے خاصے متاثر ہوئے۔ ہم دونوں اتوار کی ایک شام چہل قدمی کر رہے تھے کہ ہماری نظر گاڑیوں کے ایک بڑے شوروم پر پڑی۔ ٹیری نے ایک جدید ماڈل کی گاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم سونے کا تمغہ جیت گئے تو یہ گاڑی تحفتاً پیش کروں گا۔ اگر تم نے محض میڈل حاصل کیا تو میں سگریٹ نوشی چھوڑ

کزن اور برطانوی کرکٹر ساجد محمود کے ساتھ

باکسنگ ایسوسی ایشن پر یہ ثابت کرنے کے لیے پرعزم تھا کہ میں کیڈٹ چیمپئن شپ میں شرکت کا اہل ہوں۔ میں سونے کا تمغہ اور بہترین باکسر کا اعزاز اپنے نام کرنے میں کامیاب رہا جس کے باعث میرے سامنے امکانات کے در کھل گئے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں نے صرف چیمپئن شپ میں کامیابی حاصل نہیں کی تھی بلکہ فائنل میں امریکہ کے نمبر ایک باکسر وکٹر اورٹز کو شکست سے دوچار کیا تھا۔ اس سے قبل کوئی برطانوی بچہ یہ کارنامہ انجام نہیں دے سکا تھا۔ میرے والد بہت زیادہ فخر محسوس کر رہے تھے۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ کیا میں ایتھنز جا رہا ہوں؟ میرا جواب نفی میں تھا کیوں کہ میں نے کم عمری کے باعث ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔ برطانیہ میں 18 برس کی عمر سے قبل سینئر چیمپئن شپ میں شرکت پر ممانعت تھی۔ اولمپکس قوانین کے تحت 17 برس کی عمر میں سینئر لیول پر کھیلا جاسکتا تھا۔ جب امریکیوں کو یہ پتہ چلا کہ میں ان کی عمر کی حد پر پورا اترتا ہوں تو انہوں نے مجھے امریکہ کی نمائندگی کرنے کی پیشکش کی۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ میرے لیے گرین کارڈ حاصل کرلیں گے۔

یہ میرے لیے ناممکن تھا کہ میں امریکہ کی نمائندگی کرتا۔ اگرچہ میں نے ہمیشہ اولمپکس میں شریک ہونے کی منصوبہ بندی کی تھی لیکن ایتھنز کے بجائے بیجنگ اولمپکس میں کھیلنا میرا ہدف رہا۔ اس پیش رفت کے بعد میں یونان جانے کے بارے میں سوچنے لگا لیکن برطانوی باکسنگ ایسوسی ایشن کے نزدیک یہ ممکن نہیں تھا۔ امریکہ سے واپسی پر والد نے باکسنگ ایسوسی ایشن کے حکام سے بات کی۔ انہوں نے صاف انکار کردیا اور میری کم عمری کا عذر تراشا۔ انہوں نے سوچا شاید امریکہ میں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو۔ میری تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے اس بارے میں انٹرنیٹ پر معلومات حاصل کیں۔ امریکی درست تھے۔ میں ایتھنز اولمپکس میں شرکت کا اہل تھا۔

اسی دوران یورپین کیڈٹ چیمپئن شپ شروع ہوگئی۔ میں نے تمام مقابلوں میں فتح حاصل کی اور بہترین باکسر کا اعزاز ایک بار پھر اپنے نام کیا۔ اس کے بعد ایسوسی ایشن کے حکام کے ساتھ ایک بار پھر تنازعہ شروع ہوگیا جو مجھے اولمپکس میں بھیجنے پر ہنوز تیار نہیں تھے۔ میری کارکردگی کو جانچنے کے لیے میرا نام یورپین سکول بوائز چیمپئن شپ کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ یہ میرے لیے ایک مشکل امتحان تھا۔ اگر میں اس ٹورنامنٹ میں کامیاب نہ ہوتا تو ایتھنز اولمپکس میں شرکت کا خواب ادھورا رہ جاتا۔ مجھے ہر صورت میں کامیابی حاصل کرنی دوں گا۔

شیفیلڈ کے تربیتی کیمپ کے بعد ایسوسی ایشن کی جانب سے مجھے جرمنی میں ہونے والے ایک مقابلے میں بھیجا گیا۔ میں واحد برطانوی باکسر تھا جو ناقابلِ شکست رہا۔ اس دوران جرمنی کے ایک بڑے باکسنگ کلب کے پروموٹر نے والد سے رابطہ کیا۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ میں ان کی ٹیم میں شمولیت اختیار کروں۔ یہ اس دور کی بات ہے جب برطانوی کیمپ سے باہر زیادہ لوگ میرے نام سے آگاہ نہیں تھے۔ اس سے قبل ہم سے کسی نے رابطہ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ایک پرکشش پیش کش کی، حتیٰ کہ اس وقت تک میں نے اولمپکس کے لیے کوالیفائی نہیں کیا تھا۔ اگر میں صرف اولمپکس میں شرکت کرتا یا دوسری صورت میں گولڈ میڈل جیت جاتا تو اس کلب کی پیش کش کے تحت میں خاصا دولت مند لڑکا ہوسکتا تھا۔

میں نے کسی حد تک اولمپکس میں شرکت کے لیے اپنا راستہ ہموار کرلیا تھا۔ ایسوسی ایشن کو انتخاب کا موقع مل گیا تھا۔ 60 کلوگرام کی کیٹیگری میں ایسوسی ایشن کا چیمپئن سٹیفن برک میرے مدِمقابل تھا۔ میں اپنے خواب کو حقیقت کا روپ دینے میں کامیاب رہا لیکن اولمپکس کوالیفائنگ راؤنڈ میں کامیاب ہونا حقیقی امتحان تھا۔ میں سب سے کم عمر باکسر تھا اور شاید اس وقت تک شیو بھی نہیں کروائی تھی۔ میرا اولین مقابلہ جارجیا کے ایک باکسر سے ہوا جو عمر میں کم و بیش مجھ سے دس برس بڑا تھا۔ میں اس کے حملوں کو روک رہا تھا لیکن کوئی سکور نہیں کر پا رہا تھا۔ پورا مقابلہ اسی طرح جاری رہا۔ میرا خیال تھا کہ میں کامیاب رہوں گا۔ ٹیری کا نقطۂ نظر بھی مختلف نہیں تھا لیکن ججوں نے اسے فاتح قرار دے دیا۔ یہ گزشتہ چار برسوں میں میری اولین شکست تھی۔ میرا جونیئر مقابلوں میں شرکت کے باعث یہ خیال تھا کہ میں رِنگ میں اتروں گا اور کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب رہوں گا۔ سینئرز سے مقابلہ کرنا ایک مختلف طرز کا کھیل تھا۔ میرا اگلا مقابلہ بلغاریہ میں تھا اور میرے مدِمقابل ایک بار پھر جارجیا کا باکسر تھا جس سے قبل ازیں میں شکست سے دوچار ہوچکا تھا۔ یہ ناقابلِ یقین تھا۔ اس سے مجھے پریشانی نہیں ہوئی کیوں کہ میرا خیال تھا کہ میں اسے ہرا سکتا ہوں اور ایسا ہی ہوا۔ میں اس شام کا فاتح ٹھہرا۔

دوسرے راؤنڈ میں میرا مقابلہ آرمینیا کے ایک باکسر سے تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھے شکست دینا آسان ہوگا لیکن کھیل کے آغاز پر ہی میں نے اسے بے بس کردیا۔ میں نے اس پر دباؤ برقرار رکھا اور تیسرے راؤنڈ میں یہ مقابلہ جیت گیا۔ میں اولمپکس سے ایک فتح کی دوری پر تھا۔ میرا آخری مقابلہ رومانیہ کے ایک باکسر سے ہوا۔ ٹک پہلے سے زیادہ ڈرا ہوا تھا اور مذکورہ باکسر کے مقابلوں کی ویڈیوز متعدد بار دیکھنے کے باوجود اس میں کوئی خامی تلاش نہیں کر پایا تھا۔ ٹک نے کہا کہ مجھے اسے شکست سے دوچار کرنے کے لیے کچھ نیا کرنا ہوگا۔ دوسرے تمام برطانوی باکسرز کوالیفائی کرنے میں ناکام رہے تھے۔ بالآخر میں رومانیہ کے اس باکسر کے مدِمقابل رِنگ میں اترا اور تیسرے راؤنڈ کے اختتام تک دس پوائنٹس کی برتری سے آگے تھا۔ آخری راؤنڈ میں اس نے ہر داؤ کھیلا لیکن فتح میرا مقدر ٹھہری۔

میرے کوچ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ میں نے ایتھنز اولمپکس کے لیے کوالیفائی کرلیا تھا۔ میں اولمپکس تک رسائی حاصل کرنے والا کم عمر ترین باکسر تھا اور بہت سے لوگوں کے اعتراضات کو غلط ثابت کر دکھایا تھا۔ میں نے فائنل نہیں کھیلا کیوں کہ میرا حریف آذربائیجان کا باکسر دستبردار ہوگیا تھا۔ چنانچہ میں سونے کا تمغہ حاصل کرنے میں کامیاب رہا اور ایک بار پھر بہترین باکسر کی ٹرافی حاصل کی۔

برطانیہ واپسی پر میڈیا میں غیر معمولی کوریج دی گئی اور انٹرویو لینے والوں کی قطار لگ گئی۔ میں اس کا عادی نہیں تھا اور خاصا شرمیلا بھی تھا حتیٰ کہ درست طور پر بات نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس وقت ایسی ستائش کی جا رہی ہے تو اولمپکس میں میڈل حاصل کرنے کی صورت میں کیا ہوگا؟ میں شکایت نہیں کر رہا تھا۔ ان دنوں ہی میں نے اپنی اولین کمرشل ڈیل سائن کی۔ میں نے بولٹن میں راتوں رات شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا تھا۔

ایتھنز میں اولمپکس سے قبل ایک باکسنگ ٹورنامنٹ ہو رہا

A Boy from Bolton: My Story

AMIR KHAN

WITH A FOREWORD BY BARRY McGUIGAN

تھا۔ میں بھی اس ٹورنامنٹ میں شرکت کا خواہاں تھا تاکہ یہ دیکھ سکوں کہ چند ہفتوں بعد میرا کن باکسرز سے مقابلہ ہوگا۔ لیکن ٹیری اس پر تیار نہیں تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اولمپکس کھیلوں میں میرے مدِمقابل آنے والے باکسرز میرے کھیل کو قریب سے دیکھ پائیں۔ ٹیری کا مؤقف رد کردیا گیا اور میں ٹورنامنٹ میں شرکت کے لیے روانہ ہوگیا۔ میں صرف اور صرف مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ میں کیوبا کے عظیم باکسر اور

ملکۂ برطانیہ کے ساتھ ایک یادگار ملاقات

اولمپک کے پورے طائفے نے ایک ساتھ واپسی کا سفر اختیار کیا۔ میں ایئرپورٹ پر اپنا پرتپاک استقبال دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ تمام میڈلسٹ ایک ساتھ جہاز سے اترے لیکن لوگ مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ میں نے اس رات ٹیری کے گھر قیام کیا۔ اگلے روز میں اپنے والد اور دوست احباب کے ساتھ مانچسٹر کے لیے روانہ ہوا۔ میں نے کبھی ایئرپورٹ پر اس قدر ہجوم نہیں دیکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید بولٹن کی نصف آبادی ایئرپورٹ پر آ گئی ہے۔ ہم آدھی رات کے وقت بولٹن پہنچے لیکن لوگوں کے رش کے باعث گلی کے قریب بھی نہیں جا سکتے تھے۔ چند روز قبل تک میری کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن اب صورتِ حال یکسر تبدیل ہوگئی تھی۔ اس دوران میری ملکۂ برطانیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ میں نے ملکہ سے پوچھا کہ کیا انہوں نے میرے مقابلے دیکھے؟ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب آپ کا ملکہ سے تعارف کروا دیا جائے تو آپ گفتگو کا آغاز نہیں کرتے اور انتظار کرتے ہیں کہ ملکہ گفتگو کا آغاز کریں۔ میں اس بارے میں لاعلم تھا۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں یوں ملکہ کے روبرو کھڑا ہوں گا۔ ملکہ نے بتایا کہ انہوں نے میرے مقابلے دیکھے ہیں اور میں نے ملک کے لیے قابلِ قدر کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ایک اور تقریب میں وزیرِاعظم ٹونی بلیئر نے مجھ سے اپنے بچوں کے لیے آٹوگراف مانگا۔

2000ء میں ہونے والی اولمپکس کے چیمپئن ماریو کنڈلان کا سامنا کرنے سے بچنا چاہتا تھا جو میری کیٹیگری میں فیورٹ تھے۔ اتفاق سے میرا اولین مقابلہ کنڈلان سے ہی ہوا۔ میرا خیال تھا کہ میں یہ مقابلہ جیت رہا ہوں لیکن جب سکورز کو یکجا کیا گیا تو میں 20 پوائنٹس سے شکست کھا گیا۔ میں تذبذب کا شکار تھا۔ میرا خیال تھا کہ ضرور کوئی غلطی ہوئی ہے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور یہ میری خام خیالی تھی۔

میں اولمپکس پر پوری توجہ مرکوز کرنے کے باعث کوریا میں ہونے والی ورلڈ جونیئر چیمپئن شپ کو یکسر نظرانداز کر بیٹھا تھا جس کا انعقاد ایتھنز اولمپکس سے قبل ہونا تھا۔ میں ہر صورت میں اس چیمپئن شپ میں شریک ہونا چاہتا تھا کیوں کہ اس کے بعد یہ موقع دوبارہ نہیں ملنا تھا۔ ٹیری نے میرے اس فیصلے سے اتفاق کیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ میرے لیے بہتر ہوگا کہ میں جونیئر مقابلوں میں شریک ہوکر اولمپکس کے لیے اپنی کارکردگی اور اعتماد میں اضافہ کروں۔ ایسوسی ایشن کے حکام نے انکار کردیا۔ وہ اولمپکس سے قبل مجھے کسی ٹورنامنٹ میں بھیج کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے کیوں کہ میں انجری کا شکار ہوسکتا تھا یا ہاتھ کی ہڈی تڑوا سکتا تھا۔ ایسوسی ایشن کے حکام کسی طور پر رضامند نہیں ہو رہے تھے اور ورلڈ چیمپئن شپ میں محض دو روز باقی رہ گئے تھے جب کہ اولمپکس میلہ چھ ہفتوں بعد سج رہا تھا۔ بالآخر والد کی کوششوں سے مجھے ورلڈ چیمپئن شپ میں شرکت

کی اجازت مل گئی۔ میں فوری طور پر کوریا کے لیے روانہ ہوگیا۔ میرا اولین مقابلہ تائیوان کے ایک باکسر سے ہوا جسے میں نے دوسرے راؤنڈ میں ہی ناک آؤٹ کر دیا۔ میرا دوسرا مقابلہ ورلڈ کیڈٹ چیمپئن جارج ہرنانڈس سے تھا جو کہ ماریو کانڈلان کا کزن تھا۔ تماشائیوں کا خیال تھا کہ وہ مجھے زیر کر لے گا لیکن میرے لیے اختتام خوش کن تھا۔ میں آسانی سے جیت گیا تھا۔ یہ سب کے لیے حیران کن تھا کہ میں نے کیوبا کے ایک باکسر کو اس قدر آسانی سے شکست سے دوچار کر دیا تھا اور وہ اس امید کا اظہار کر رہے تھے کہ میں ٹورنامنٹ کا بہترین باکسر قرار پاؤں گا۔ لیکن اس وقت ایک مسئلہ پیدا ہوگیا جب میرے دائیں ہاتھ میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ میں رنگ میں اپنے جوش و خروش کے باعث اسے محسوس نہیں کر پایا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے ہاتھ میں فریکچر ہوگیا ہے۔ ٹیم منیجر پیٹر بائز چاہتا تھا کہ میں اس مقابلہ سے دست بردار ہوجاؤں۔ اولمپکس میں ایک ماہ رہ گیا تھا۔ اس نے کہا کہ ایسوسی ایشن کے حکام اسی وجہ سے مجھے اس ٹورنامنٹ میں شرکت کے لیے نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ میں نے ٹورنامنٹ کے بہترین باکسر کو شکست دی تھی اور یہ یقین تھا کہ ٹورنامنٹ کے دوسرے باکسرز کو ناک آؤٹ کر سکتا ہوں۔ فزیو کیرولین نے ہاتھ کا معائنہ کیا اور یہ اچھی خبر تھی کہ یہ فریکچر نہیں ہوا تھا۔ اس نے بہت بہتر طور پر میرا علاج کیا۔ اگرچہ میرے ہاتھ میں درد تھا لیکن میں رنگ میں اتر سکتا تھا۔ میں نے کامیابیوں کا سفر جاری رکھا اور سیمی فائنل تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ میرے ہاتھ کا درد ٹھیک نہیں ہوا تھا لیکن میں پرعزم تھا جس کے باعث آسانی کے ساتھ سیمی فائنل میں کامیابی حاصل کر لی۔

فائنل میں تین روز باقی تھے اور اس دوران میں اپنا علاج کروا سکتا تھا۔ میں ورلڈ جونیئر چیمپئن شپ کا ٹائٹل اپنے نام کرنے میں کامیاب رہا۔ میں انتہائی خوش تھا اور اولمپکس کے لیے میری تیاری زبردست تھی جو محض تین ہفتوں کی دوری پر تھا۔ کھیلوں کے آغاز سے قبل ہی پوری برطانوی قوم کی امید مجھ سے وابستہ ہوگئی تھی۔ میں نے اولمپکس سے قبل فرانس اور قبرص میں تربیتی کیمپوں میں شمولیت اختیار کی اور بعد ازاں ایتھنز کا رخ کیا۔ میں تنہائی محسوس کر رہا تھا۔ میرے ساتھ کمرے میں ایک ویٹ لفٹر کو ٹھہرایا گیا تھا جو دو روز بعد واپس روانہ ہوگیا۔ میں اور میرا کوچ ٹیری تنہا رہ گئے۔ میں اولمپکس ویلیج میں ایک لاج حاصل کرنے میں کامیاب رہا جہاں میں اپنے خاندان کے افراد اور قریبی دوستوں سے ملاقات کر سکتا تھا۔ میں شام کے وقت تربیت مکمل کرنے کے بعد اپنے والد اور بولٹن سے آنے والے دوستوں کے ساتھ وقت گزارتا۔ ہماری گفتگو میں باکسنگ کا تذکرہ تک نہیں ہوتا تھا۔ میرے چچا طاہر دوستوں اور خاندان کے پندرہ افراد کے ہمراہ ایتھنز آئے تھے۔

اولمپکس کے آغاز کے دو ہفتوں بعد باکسنگ ٹورنامنٹ کا آغاز ہوا۔ میرا اولین مقابلہ یونانی کھلاڑی کے ساتھ تھا جسے مقامی طور پر فیورٹ قرار دیا جا رہا تھا۔ اس وقت ہال میں تقریباً 13 ہزار تماشائی موجود تھے۔ مقابلے کا آغاز ہوا اور ابتدا میں یونانی باکسر نے برتری حاصل کی۔ میں ایک بار پھر سکول کے کسی بچے کی طرح باکسنگ کر رہا تھا۔ میں آگاہ تھا کہ مجھے پرسکون رہنا ہے۔ پہلے راؤنڈ کے اختتام پر ہم دونوں پوائنٹس میں برابر تھے جہاں سے میں نے نئے سرے سے آغاز کیا اور اسے شکست سے دوچار کر دیا۔ ہر مقابلے کے بعد پریس کانفرنس کرنے کا تجربہ یکسر نیا تھا۔ جب میں پریس روم میں داخل ہوا تو میری یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ برطانوی اخبارات، ٹی وی اور ریڈیو کے رپورٹرز بڑی تعداد میں موجود تھے۔ برطانوی حلقے کے پریس افسر فلپ پاپ نے کہا کہ انہوں نے اس سے قبل ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔ بعدازاں ان کو میرے ہر مقابلے کے بعد برطانوی میڈیا کے لیے الگ سے پریس کانفرنس کا انعقاد کرنا پڑتا۔

اولین فتح سے میرے اعتماد میں اضافہ ہوا۔ میرا اگلا مقابلہ بلغاریہ کے ایک باکسر سے تھا۔ تمام ماہرین میری شکست کی پیش گوئی کر رہے تھے۔ میں اس قسم کی صورت حال میں زیادہ پرجوش ہوجاتا تھا۔ ہر مقابلے کے بعد ایک روز کا وقفہ ہوتا جس میں میں اپنی تیاری کیا کرتا۔ میں نے بلغاریہ کے باکسر سے مقابلہ کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کیا۔ میں پراعتماد تھا اور یہ چاہتا تھا کہ رنگ میں جارحانہ انداز اختیار کروں۔ کھیل کا آغاز ہوا اور میں نے اپنی منصوبہ بندی کے مطابق جارحانہ انداز اختیار کیا۔ میں خوش تھا کہ اولین دو راؤنڈز کے نتائج میری توقعات کے مطابق تھے۔ میں یہ تصور کرنے لگا تھا کہ میں ایتھنز اولمپکس میں شریک بہترین باکسر ہوں۔ تیسرے راؤنڈ میں میرے حریف پر مایوسی غالب آگئی اور اس سے غلطیاں سرزد ہونے لگیں۔ جب کھیل چوتھے راؤنڈ میں داخل ہوا تو میں یہ جان چکا تھا کہ میں جیت رہا ہوں لیکن مجھے کھیل پر گرفت قائم رکھنا تھی۔ میں یورپی چیمپئن کو شکست دینے میں کامیاب رہا۔ میری اس فتح نے مجھے میڈل کے لیے فیورٹ بنا دیا۔

میرا اگلا مقابلہ ایشین چیمپئن سے تھا۔ اولمپک کے لیے بسائے گئے شہر میں ٹیری نے یہ احتیاط کی کہ میں کون سے اخبارات پڑھوں اور کس قسم کے ٹی وی پروگرام دیکھوں اور وہ یہ فیصلہ کیا کرتا کہ میں کہاں انٹرویو دوں۔ میں تاحال لڑکپن کی عمر میں تھا اور انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میں اپنے کورین مدمقابل کی شخصیت سے یہ اندازہ لگانے میں کامیاب رہا تھا کہ وہ جنگجو طبیعت کا حامل ہے اور یہ واضح تھا کہ وہ مجھ سے باکسنگ نہیں کرے گا بلکہ مجھ پر حملہ آور ہوگا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ میں ذہنی طور پر تیار تھا۔ میں نے زبردست مقابلہ کیا اور تب کھیل کو درمیان میں روک کر مجھے فاتح قرار دے دیا گیا۔ یہ پورے ٹورنامنٹ کا ایسا واحد مقابلہ تھا جس کا فیصلہ پوائنٹس پر نہیں ہوا تھا۔ میں سیمی فائنل تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ میرے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ یہ اس قدر آسان تھا۔ میں کسی بھی دوسرے ٹورنامنٹ کی طرح محض اپنی پرفارمنس بہتر طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں یہ اندازہ کرنے سے قاصر تھا کہ مجھے برطانوی میڈیا میں کس قدر پذیرائی حاصل ہو رہی تھی۔ ہر کوئی میرے بارے میں بات کر رہا تھا۔ میں نے بولٹن میں اپنے دوستوں کو کال کی۔ ان کا ردعمل غیر معمولی تھا اور انہوں نے مجھے بتایا کہ خبروں میں ہر طرف میرا چرچا ہے۔

بی بی سی کے ایک رپورٹر نے مجھے کچھ برطانوی اخبارات دکھائے جن کے صفحہ اول پر میرے بارے میں خبریں شائع کی گئی تھیں۔ میں آگاہ نہیں تھا کہ اس کا کیا مطلب تھا لیکن مجھ پر آشکار ہوا کہ یہ ایک بڑی خبر تھی۔ میں بہت زیادہ پرجوش ہوگیا۔ اسی دوران ٹینس کے مقابلوں میں ماریہ شراپووا نے وینس ولیمز کو شکست سے دوچار کر دیا۔ ایسوسی ایشن کے ایک عہدیدار نے کہا کہ عامر تم کانڈلان کو ہرا سکتے ہو، نوجوان بہتر کھیل پیش کر رہے ہیں۔ اس سے میرے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔ میں طلائی تمغہ جیتنے کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ یہ سب کسی خواب کی مانند تھا۔

سیمی فائنل میں میرا مقابلہ قازقستان کے ایک باکسر سے تھا۔ وہ مکمل تیاری کر کے آیا تھا اور اس نے کھیل کا جارحانہ آغاز کیا۔ پہلے راؤنڈ کے اختتام پر میرے مدمقابل کو مجھ پر دو پوائنٹس کی برتری حاصل تھی۔ دوسرے راؤنڈ کے اختتام پر میرا خیال تھا کہ کھیل پر میری گرفت بہتر ہوگئی ہے لیکن اس کے باوجود میرے پوائنٹس کم تھے۔ میں یہ مقابلہ باآسانی ہار سکتا تھا۔ لیکن میں فائنل کے قریب تر تھا اور مجھے ہر صورت میں اپنے مخالف کھلاڑی کو ناک آؤٹ کرنا تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھے اور تب میرا انداز جارحانہ ہوگیا۔ میرے پوائنٹس بڑھنا شروع ہوگئے۔ تیسرے راؤنڈ کے اختتام پر مجھے دس پوائنٹس کی برتری حاصل تھی۔ آخری راؤنڈ میں فتح میرے نام رہی اور یوں اب میں چاندی کا تمغہ اپنے نام کر سکتا تھا۔

میں کھیل کے اختتام پر خاصا مصروف ہوگیا۔ ہر کوئی مجھے مبارک باد دے رہا تھا۔ کانڈلان نے ایک روسی باکسر کے خلاف کامیابی حاصل کی تھی اور فائنل میں ہم دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ کانڈلان نے سیمی فائنل میں زیادہ بہتر کھیل پیش نہیں کیا تھا۔ میں پُریقین تھا کہ میں طلائی تمغہ حاصل کر لوں گا۔ کانڈلان ایک سپر سٹار تھا جب کہ میری عمر سترہ برس تھی جس نے غیر متوقع طور پر کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ یہ کسی فلم کے سکرپٹ کی مانند تھا۔ فائنل کے روز ہر طرف برطانوی پرچم لہرا رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں رنگ میں اپنی فوج کے ساتھ اتر رہا ہوں۔ بہرحال مقابلے کا آغاز ہوا۔ کانڈلان ایک چالاک باکسر تھا اور اس نے میرے ہر داؤ کو ناکام بنا دیا۔ یہ مقابلہ زبردست رہا لیکن میں ہار گیا۔ کھیل کے اختتام پر وہ مجھ سے بغل گیر ہوا اور کہا کہ ایک روز میں عظیم چیمپئن ہوں گا اور بیجنگ میں گولڈ میڈل حاصل کرنے میں کامیاب رہوں گا۔ یہ اس کا دوسرا طلائی تمغہ تھا لیکن میں پورے ٹورنامنٹ میں اس کا سب سے سخت حریف ثابت ہوا تھا۔

میں طلائی تمغہ حاصل نہ کرنے پر افسردہ تھا اور آگاہ تھا کہ میں نے ایک شاندار موقع کھو دیا تھا۔ اگرچہ میں کانڈلان سے ہار گیا تھا لیکن اس احساس سے سرشار تھا کہ میں نے ایک بڑی جیت اپنے نام کی تھی۔ عام طور پر چاندی کا تمغہ حاصل کرنے والوں کو بھلا دیا جاتا ہے لیکن میرے معاملے میں یہ طلائی تمغہ حاصل کرنے کے مترادف تھا۔ حکام نے یہ اعتراف کیا کہ میں ٹورنامنٹ کا بہترین باکسر قرار دیے جانے کا اہل ہوں لیکن فائنل میں شکست کے باعث یہ ممکن نہیں۔ میری شہرت میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ اس کا اظہار اس وقت ہوا جب برطانیہ واپسی پر میرا شاندار استقبال ہوا۔

کالج میں گزرے چند یادگار لمحات

میرا کالج میں گزرا اولین برس انتہائی یادگار رہا۔ میں اور ساجد اپنا بیشتر وقت کھیلوں کے ہال یا کینٹین میں لڑکیوں کو متاثر کرنے کی کوشش میں گزارا کرتے۔ میرا خیال ہے کہ سال کے اختتام تک ہم کالج کی ہر لڑکی کے نام سے واقف ہو چکے تھے۔ ہر کوئی ہماری دوستی کا خواہاں تھا۔ اولمپکس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد لوگ میری جانب دیکھتے ہیں اور یہ تصور کرتے ہیں کہ میں نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔ ان کو یہ ادراک نہیں ہے کہ اولمپکس سے قبل ہی میں پیسوں کے بغیر یہ سب کچھ حاصل کر چکا تھا۔ میں کالج میں گزرے ان ایام سے خوب لطف اندوز ہوا۔ لڑکیاں میرے ساتھ آؤٹنگ پر جانے کی خواہاں ہوتیں۔ میں لوگوں میں گھل مل جاتا تھا۔ میرے اس رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہی وجہ رہی کہ کسی نے مجھے کبھی "پاکی" کہہ کر مخاطب نہیں کیا۔

اگرچہ سکول کے دنوں میں میری باکسنگ پر توجہ مرکوز رہی لیکن میں ایک اچھا طالب علم تھا۔ میری آوارہ گردی کے دن ختم ہوگئے تھے۔ جب میں نے جونیئر اور عالمی مقابلوں میں شریک ہونا شروع کیا تو بڑی حد تک میری خود اعتمادی میں اضافہ ہوا تھا۔ میرے سے قبل چچازاد بھائی ساجد محمود اس سکول میں زیر تعلیم رہے تھے۔ انہوں نے کرکٹ کا رخ کیا اور خاصا نام کمایا۔ وہ میری طرح کھیلوں کی دنیا میں مسلمانوں کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سابق برطانوی کرکٹر رونی ایرانی بھی سکول کے سابق طالب علموں میں شامل تھے۔ وہ اپنے ددھیال کی جانب سے پاکستانی پس منظر کے حامل تھے۔ باکسنگ سکول کے کھیلوں کے نصاب کا حصہ نہیں تھی۔ یہ اس وقت شامل ہوئی جب میرا تذکرہ اخبارات میں ہونے لگا۔ میرے بارے میں سکول بلیٹن میں مضامین شائع ہونے لگے۔ لیکن سکول کی جانب سے کبھی باکسنگ نہیں کھیلی۔ میں سکول کی تعلیم مکمل کرنے کے ایک برس بعد اولمپک کھیلوں میں چاندی کا تمغہ حاصل کرنے والے کھلاڑیوں کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا۔ یہ غیر معمولی تھا۔ سکول نے میرے اعزاز میں ایک بڑی تقریب کا انعقاد کیا۔

میں نے سکول سے فارغ ہونے کے بعد تیزی سے ترقی کی۔ میں ان دنوں بولٹن کمیونٹی کالج میں زیر تعلیم تھا جب اولمپکس کے لیے کوالیفائی کیا۔ میرے استاد گراہم رابرٹس ٹی وی اور ریڈیو چینلوں کو میرے بارے میں انٹرویو دیا کرتے۔ میں سپورٹس ڈویلپمنٹ اینڈ فٹنس میں بی ٹیک نیشنل ڈپلومہ کر رہا تھا جو کہ اے لیول کے برابر تھا۔ یہ دو سال کا کورس تھا جس کے بعد میں یونیورسٹی میں داخلے کا اہل ہو سکتا تھا۔ میرے ساتھی طالب علموں کی اکثریت بھی کھیلوں کے حوالے سے پرجوش تھی لیکن ان کو یہ کبھی پتہ نہیں چل سکا کہ میں ایک باکسر ہوں۔ اس دوران ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا کہ گراہم نے خود اعتمادی پیدا کرنے کے لیے دو دو طالب علموں پر مشتمل گروپ بنا دیے۔ میرا گروپ آئن نامی طالب علم کے ساتھ بنا۔ جب اس نے مجھ سے میرے کیریئر کے بارے میں سوال کیا تو میرا جواب تھا: میں اولمپک میڈل حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اسے غیر سنجیدہ خیال تصور کر کے مسکرا دیا۔

میں اپنے باکسنگ کیریئر کے حوالے سے کالج میں زیادہ بات نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن میرا گراہم کے ساتھ مستقل رابطہ رہتا۔ اس دوران مجھے اولمپکس میں شرکت کی اجازت مل گئی اور کوالیفائنگ راؤنڈ کا آغاز ہوگیا۔ ایک صبح میرے فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری جانب گراہم تھا۔ عامر تم کہاں ہو؟ آج صبح تم کالج کیوں کر نہیں آئے؟ گراہم شاید بھول گیا تھا کہ میں اس ٹورنامنٹ میں شرکت کے لیے جا رہا تھا جس کے بعد مجھے اولمپکس میں کھیلنے کا موقع ملا۔ جب میں کالج واپس آیا تو یہ میرے لیے ایک بالکل مختلف جگہ بن چکی تھی۔ میں ایک مشہور شخصیت بن گیا تھا۔

ایک روز گراہم نے مجھ سے کہا کہ اگر ممکن ہو تو کسی روز اپنا میڈل دکھاؤ۔ میں نے جیب سے میڈل نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس کے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ میں نے میڈل اپنی جیب میں رکھا ہوا تھا۔ بہرحال میرے خیال میں یہ محفوظ ترین جگہ تھی اور میڈل میرے بہن بھائیوں کے بچوں کی پہنچ سے دور تھا۔ وہ اسے اپنے گلے میں لٹکائے گھومتے اور خود کو اولمپک چیمپئن ظاہر کرتے۔ سٹاف روم میں موجود تمام اساتذہ نے میڈل کو چھو کر اور اپنے گلے میں پہن کر دیکھا۔ وہ بالکل بچوں کی طرح پیش آ رہے تھے۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ اب سب کچھ تبدیل ہوگیا تھا۔ گراہم کو اس صورت حال کا ادراک تھا۔ کالج میں جانے کا ایک مقصد زندگی کے اگلے مرحلے کے لیے خود کو تیار کرنا تھا۔ اگلا مرحلہ آ گیا تھا۔ میں ہفتہ میں ایک روز ہی کالج جا پاتا۔ مجھے مختلف جگہوں پر مدعو کیا جانے لگا تھا۔ نومبر 2004ء میں والد کے ہمراہ آخری بار کالج گیا اور گراہم کو آگاہ کیا کہ میں اپنا کورس مزید جاری نہیں رکھ سکتا۔ میں نے یہ فیصلہ اپنے طور پر کیا تھا۔ تکنیکی طور پر 2008ء سے قبل میں کسی بھی وقت اپنا کورس مکمل کر سکتا تھا۔ مجھے یہ فیصلہ معقول لگا۔ یوں وقتی طور پر میری کالج سے جان چھوٹ گئی۔ (جاری ہے)

آٹوگراف دیتے ہوئے

کیوبا کے لیجنڈری باکسر ماریو کانڈلان اور سیٹھ ٹنس لارنس کے ساتھ ایک یادگار تصویر

اپنی گاڑی کے ہمراہ

باکسنگ کی دنیا کا جگمگاتا ستارہ عامر خان

پاکستانی نژاد برطانوی باکسر کی جدوجہد اور سفرِ زیست

(قسط نمبر3)

علی عباس

میری عمر اس وقت چھ یا سات برس رہی ہوگی جب پہلی بار والدین کے ہمراہ پاکستان آیا۔ میرے خاندان کا تعلق راولپنڈی کے نواحی گاؤں مٹور سے ہے۔ مقامی لوگ آگاہ تھے کہ میں لال خان کا پوتا ہوں جنہوں نے 1963ء میں برطانیہ کا رخ کیا تھا۔ اگرچہ میں اس ماحول سے پہلی بار متعارف ہو رہا تھا لیکن اپنائیت کا احساس رچا بسا تھا۔ میں خاندان کے افراد کے درمیان گھرا ہوا تھا جن کے بارے میں میں نے دادا اور چچاؤں سے سن رکھا تھا۔ لوگوں نے گھروں میں مویشی پال رکھے تھے جو گلیوں میں آوارہ پھر رہے ہوتے۔ ہر روز نیلا آسمان دکھائی دیتا اور موسم میں حدت تھی۔ جب میرے والد پیدا ہوئے تو اس وقت لوگ کنوؤں سے پانی بھر کر لاتے تھے یا ہینڈ پمپ استعمال کیا جاتا تھا۔ میرا پاکستان میں قیام کچھ روز کے لیے تھا۔ جب شام کے دھندلے سائے گہرے ہونے لگتے تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ رات ہوگئی ہے۔ گاؤں میں اخبارات نہیں آتے تھے اور کوئی بھی ٹی وی نہیں دیکھتا تھا لیکن مجھے یہ ماحول پسند آیا۔ آپ خوب مستی کر سکتے تھے اور دن بھر چائے پی سکتے تھے۔

ہمارا آبائی گھر ہنوز قائم ہے جو میرے دادا نے تعمیر کیا تھا اور اب وہاں میری ایک پھپھی رہتی ہے۔ مٹور کے قرب و جوار میں خاندان کی کچھ زمین تھی۔ میرے دادا فوج میں تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے برطانیہ میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک جرأت مندانہ اقدام تھا کیوں کہ پاکستان میں ان کی مالی حالت خاصی بہتر تھی۔ انہوں نے برطانیہ جانے کے بعد بریڈ فورڈ میں آلوؤں کی کاشت کاری شروع کی۔ اس وقت وہ انگریزی زبان سے یکسر نابلد تھے۔ یہ ان کے لیے انتہائی مشکل رہا ہوگا اور میرا خیال ہے کہ باکسنگ اس کے مقابلے میں نسبتاً آسان ہے۔ میرے دادا کا نہ صرف ایک اجنبی زبان سے واسطہ پڑا تھا بلکہ ان کو اپنی شخصیت ایک نئی ثقافت کے مطابق ڈھالنا تھی۔ جب میں پہلی بار پاکستان آیا تو میرے والد نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اور خاندان کے بہت سے افراد خوش آمدید کہنا چاہتے تھے لیکن دادا کا برطانیہ میں کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔

جب میں پہلی بار پاکستان جانے کے لیے جہاز پر سوار ہوا تو بہت زیادہ پرجوش تھا۔ میں نے اس بارے میں زیادہ نہیں سوچا تھا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پر میں نے محسوس کیا کہ ہر شخص کو تقریباً دس لوگ ریسیو کرنے آئے تھے جو اپنے رشتہ داروں کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ میرے لیے یہ سب غیر معمولی تھا۔ ہم اپنے چچا کی شادی میں شرکت کے لیے پاکستان آئے تھے۔ اسلام آباد سے مٹور پہنچنے میں محض ایک گھنٹہ لگا۔ سڑک کے اطراف میں مختلف اشیاء کے سٹال لگے ہوئے تھے اور بس کو غیر معمولی رنگوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ آپ کو پاکستان میں کوئی بس خالی نظر نہیں آئے گی۔ بس میں پچاس مسافر سوار تھے اور تقریباً اتنے ہی دروازے سے لٹک رہے تھے یا چھت پر بیٹھے تھے۔ برطانیہ میں ایسا ممکن نہیں ہو سکتا۔ سڑکوں پر رواں دواں گاڑیوں کی حالت والد کے کباڑ خانے میں کھڑی گاڑیوں سے بھی ابتر تھی۔

میں نے جب ایک بھیڑ کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا تو بچوں نے یہ تصور کیا کہ میں بیوقوف ہوں۔ وہ ان کو نظرانداز کر دیتے اور کرکٹ کھیلنے میں مشغول رہتے۔ اگر آپ پاکستان میں کرکٹ کے کھیل میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنے میں کامیاب رہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کھیل کے میدان کے بادشاہ ہیں۔ معاملہ کچھ یوں ہے کہ میں ہمیشہ جانوروں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ ایک چچا نے مجھے دکھایا کہ بھینس سے دودھ کس طرح دوہا جاتا ہے۔ میں نے بھینسوں کو اس قدر قریب سے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تازہ دودھ ہے اور اسے پینے کی دعوت دی۔ میں نے ان کے بتائے ہوئے طریقہ کار پر عمل کیا جس کے باعث سارا گرم دودھ میرے چہرے پر لگ گیا۔ اس واقعہ کو یاد کرکے میرے والد کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ دوڑ جاتی ہے۔

پاکستان میں دن کا آغاز صبح سویرے ہو جاتا۔ جب میں دوپہر گیارہ بجے نیند سے بیدار ہوتا تو یوں محسوس ہوتا کہ لوگ اپنا کام مکمل کر چکے ہیں اور چائے کا اہتمام اسی غرض سے کیا گیا ہے۔ پاکستان میں برطانیہ کی نسبت زیادہ چائے نوش کی جاتی ہے اور اس کے بنانے کا طریقہ بھی مختلف ہے۔ بہرحال میرے رشتہ دار مجھے پہلی بار دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ میرے ننھیال میں کوئی مرد نہیں تھا، وہ مجھے کھلاتے اور مختلف چیزیں لے کر دیتے۔ آنے والے برسوں میں ہم سکول کی چھٹیوں میں متعدد بار تین یا چار ہفتوں کے لیے پاکستان آئے۔ بعدازاں مجھ پر یہ ادراک ہوا کہ لوگ ہمارے ساتھ کچھ یوں پیش آتے ہیں جیسا کہ ہم رئیس ہوں۔ جب انہیں یہ معلوم ہوتا کہ ہم بیرون ملک سے آئے ہیں تو وہ غیر معمولی طور پر خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے۔ خریداری کا تجربہ یکسر نیا تھا۔ برطانیہ میں آپ چیزوں پر چھپاں قیمت کی پرچی کے مطابق ادائیگی کرتے ہیں۔ پاکستان میں ایسا کچھ نہیں تھا اور ابتداء میں میں اس بارے میں لاعلم تھا۔ میں جوں ہی بولنے کے لیے لب کھولتا، دکان دار یہ جان جاتا کہ میں بیرون ملک سے آیا ہوں اور یہ کہ میرے سے وہ چیزوں کی منہ مانگی قیمت وصول کر سکتا ہے۔ میں جلد ہی بھاؤ تاؤ کرنے میں ماہر ہوگیا۔ جب کوئی دکاندار مجھ سے کسی چیز کے دو ہزار روپے مانگتا تو میں اسے پانچ سو روپے کی پیشکش کرتا اور اس کے انکار پر آگے بڑھ جاتا۔ تب وہ کہتا کہ تم دن میں میرے پہلے گاہک ہو اس لیے اسی قیمت پر یہ چیز لے جاؤ۔

لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ یورپ میں ہر کوئی بہت پرآسائش زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کے لیے کس قدر جوکھم اٹھانا پڑتے ہیں۔ مٹور میں آپ طویل زندگی گزار سکتے ہیں۔ میں نے بہت سے اوعمر افراد کو دیکھا جن کی عمر اسی سے نوے برس کے درمیان تھی۔ فضا تر و تازہ ہے، کھلی جگہ ہے، خوبصورت میدان اور پہاڑ ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ یہاں زندگی مشکل ہو لیکن یہ آہستگی سے آگے بڑھتی ہے۔

برطانیہ میں آپ کے پاس پاکستان کی نسبت زیادہ رقم ہو سکتی ہے لیکن آپ کو اس کے حصول کے لیے سخت تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ لوگ ہمیشہ آگے بڑھنے کی جستجو میں مگن رہتے ہیں۔ مٹور میں کوئی ایسی کوشش نہیں کرتا۔ وہ آگاہ نہیں ہیں کہ ہم کس طرح زندگی گزارتے ہیں اور صرف بیرون ممالک میں رہنے والوں کی قوت خرید کو دیکھتے ہیں۔

پاکستان میں قیام کے دوران والد ہمیشہ کرایے پر گاڑی حاصل کرتے ہیں کیوں کہ کوئی غیر ملکی یہاں پر خود گاڑی ڈرائیو نہیں کر سکتا۔ پاکستانی آگاہ نہیں ہیں کہ سفید لائن کون سی ہے اور ٹریفک کے اژدہام کے درمیان خالی جگہ دیکھ کر اسے فوراً پُر کر دیتے ہیں۔ میرے خیال میں ملک میں کوئی قوانین نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ ڈرائیونگ لائسنس کے حصول کے لیے بھی کسی قسم کا امتحان پاس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے کچھ رشتہ دار دس برس کی عمر سے ڈرائیونگ کر رہے ہیں۔ میں اس عمر میں گاڑی سٹارٹ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی گاڑی میں ہارن کا ہونا سب سے اہم ہے کیوں کہ دوسری صورت میں آپ مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔ میں اکثر حیران ہوتا ہوں کہ اگر میرے دادا برطانیہ کا رخ نہ کرتے تو میری زندگی کس طرح کی ہوتی؟ والد کہتے ہیں کہ وہ فوج یا سیاست میں جاتے۔ میرا خیال ہے کہ [illegible] میں بھی ایسا ہی کرتا [illegible]

اور یہ یقینی ہے کہ اولمپکس کے سلور میڈلسٹ کی حیثیت سے یہ کتاب نہ لکھ رہا ہوتا۔

اگرچہ میری شکل و صورت پاکستانی ہے اور میرے تمام آباؤ اجداد پاکستانی تھے لیکن مقامی لوگ کہتے ہیں کہ میں پاکستانی نہیں ہوں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں انگریزی میں روانی سے بات کرتا ہوں۔ آپ کی شخصیت کا ہر پہلو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ بیرون ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ میرے دادا کا مٹور کے علاوہ راولپنڈی میں بھی ایک گھر ہے۔ میرے والد نے یہ کچھ برس قبل خریدا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنی ریٹائرمنٹ کے ایام پاکستان میں گزارنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ یہ فی الحال میرے لیے نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں اپنے بڑھاپے میں پاکستان میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لوں۔ اس وقت مجھے بولٹن میں رہنا زیادہ پسند ہے۔ میرے والد مٹور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اور والدہ یہاں پر مدفون ہیں۔ وہ خود کو ایک پاکستانی کے طور پر دیکھتے ہیں۔ میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ وہ کیوں کر پاکستان منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ میرا پس منظر پاکستانی ہے لیکن ثقافتی طور پر برطانوی اقدار کے زیادہ قریب تر ہوں۔

ساٹھ کی دہائی میں بولٹن کا رخ کرنے والے پاکستانی خاندانوں کی زندگیوں میں بہت بڑا بدلاؤ آ چکا ہے۔ ابتداء میں پاکستانی ثقافت کا رنگ نمایاں تھا۔ لوگ روایتی لباس زیب تن کیا کرتے، مشرقی پکوان تیار کیے جاتے لیکن وقت کی گردش نے ایشیائی خاندانوں کے رہن سہن پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ نوجوانوں کے لباس میں خاصا فرق آ گیا ہے اور وہ شلوار قمیض خاص مواقع پر ہی پہنتے ہیں۔ والدہ روایتی لباس میں آسانی محسوس کرتی ہیں لیکن والد جینز اور ٹی شرٹ پہنتے ہیں۔ والدین کی پسند سے شادی کی روایت بھی ماند پڑ رہی ہے۔ اگرچہ والدین کی رضامندی کو مقدم تصور کیا جاتا ہے لیکن بچوں کی پسند و ناپسند بھی اہمیت اختیار کرگئی ہے۔

دوسری جانب اولمپکس میں کامیابی کے بعد بہت سے پروموٹرز اور ٹرینرز مجھ سے رابطہ کرنے لگے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب مجھے اپنے کیریئر کے حوالے سے اہم فیصلہ کرنا تھا اور اب مجھے امیچور سے پروفیشنل باکسنگ کی دنیا میں قدم رکھنا تھا۔ ایتھنز اولمپکس میں شرکت اور کامیابی غیر متوقع تھی۔ ایک بار جب کچھ دھند چھٹ گئی تو میرے خاندان میں اس بارے میں غور و فکر کیا جانے لگا۔ میرا کوچ مک جیلی شروع سے ہی مشاورتی عمل کا حصہ رہا۔ مک کو پروفیشنل باکسنگ پسند نہیں ہے اور وہ یہ تصور کرتا ہے کہ اس میں باکسرز کی گوشت کی طرح خرید و فروخت ہوتی ہے لیکن اس نے میرے کسی فیصلے کی مخالفت نہیں کی۔

میرے لیے سب کچھ آناً فاناً ہوگیا تھا۔ اولمپکس میں شرکت سے ایک برس قبل تک میرے وہم و گمان میں بھی ایسا کوئی خیال نہیں تھا لیکن اب میں پر یقین نہیں تھا کہ امیچور باکسنگ میں اس سے بڑی کوئی کامیابی حاصل کر سکوں گا۔ یہ ممکن تھا کہ میں مزید دو برس امیچور باکسر رہتا اور دولت مشترکہ کی کھیلوں میں حصہ لیتا۔ اس کا انحصار ایسوی ایشن پر تھا اور مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ میرے پیش نظر سینئر ٹائٹل کا حصول تھا اور ایسوی ایشن کے حکام کی بھی یہی خواہش تھی کہ میں امیچور باکسر رہوں۔ میرا فوری طور پر پروفیشنل باکسنگ میں آنا ایسوی ایشن کے لیے کسی طور پر سودمند نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے 20 ہزار پاؤنڈز کی پیشکش کی اور اس کے ساتھ ہی یہ کہا کہ سپانسرشپ معاہدوں کے ذریعے اسے 50 ہزار پاؤنڈز تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ اولمپکس کوالیفائی راؤنڈ میں شرکت سے قبل مجھے ہفتے کا 10 پاؤنڈ اعزازیہ ملتا تھا اور جب میں نے کوالیفائی کر لیا تو اسے بڑھا کر 12 سو پاؤنڈ ماہانہ کر دیا گیا۔ اس کے برعکس

دادا حقیقی ہیرو ہیں

میرے دادا نے کسی قسم کی مالی مدد کے بغیر برطانوی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ انہوں نے بریڈفورڈ میں اپنا گھر بنایا جہاں پر وہ مختلف لوگوں کو کرایے پر رہائش فراہم کیا کرتے اور یوں اس قدر رقم پس انداز کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ اہل خانہ کو برطانیہ بلا سکتے۔ دادا ہمارے خاندان کے حقیقی ہیرو ہیں۔ وہ میری پیدائش سے قبل وفات پا گئے تھے لیکن دادی نے ان کی یادوں کو تروتازہ رکھا۔ ان کے عزم و حوصلے کے بغیر میرے لیے یہ سب کامیابیاں حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ دادا نے بریڈفورڈ سے بولٹن کا رُخ کیا جہاں پر وہ ایک کاٹن مل میں ملازمت کرنے لگے۔ برسوں بعد جب میری تصاویر اخبارات میں شائع ہونے لگیں تو والد نے بتایا کہ اگر میرے دادا زندہ ہوتے تو وہ اس پر فخر محسوس کرتے۔ ان کے لیے ان کا خاندان سب کچھ تھا۔ جب میرے ایک چچا نے برٹش ایرو سپیس میں تربیت مکمل کی تو دادا نے انہیں گاڑی لے کر دی۔ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد مکان کی تعمیر کی غرض سے کچھ روز کے لیے پاکستان گئے اور جب اس کی تعمیر مکمل ہو گئی تو انہوں نے بولٹن فون کیا اور کہا کہ وہ جلد واپس آ جائیں گے لیکن ایسا ممکن نہیں ہو سکا۔ چند روز گزرے ہوں گے کہ ان کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ میں جب منور جاتا ہوں تو مجھے لوگ اولمپکس سلور میڈلسٹ کے بجائے لال خان کے پوتے کے طور پر جانتے ہیں۔ وہ ہنوز ہمارے خاندان کا ایک اہم حوالہ ہیں۔

پروموٹرز لاکھوں پاؤنڈز کی پیش کش کرنے لگے تھے۔ اس وقت میرے والد اور ان کے دوست آصف نے ایک کمپنی قائم کر لی۔ آصف کا بولٹن میں ٹیکسی کا کاروبار تھا۔ والد اس کی گاڑیاں ٹھیک کیا کرتے اور یوں رفتہ رفتہ ان کے درمیان دوستی کا تعلق استوار ہو گیا۔ پروموٹرز کی زیادہ تر کالیں آصف ہی اٹینڈ کیا کرتا۔

ایک روز والد گھر آئے اور کہا کہ عامر! بتاؤ آج میری کس سے بات ہوئی ہے؟ اور جواب چونکا دینے والا تھا کیوں کہ ان کی باکسنگ کی دنیا کے اہم ترین نام آسکر ڈی لا ہویا (Oscar De la Hoya) سے بات ہوئی تھی جس نے گولڈن بوائے پروموشن کے نام سے ایک کمپنی قائم کر رکھی تھی اور اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں امریکہ آ جاؤں اور اس کی کمپنی کی جانب سے رنگ میں اتروں۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں ڈزنی لینڈ میں ہوں۔ ڈی لا ہویا میرا پسندیدہ باکسر تھا اور میں اس کی کال آنے پر خوش تھا۔ یہ میرے لیے فیصلہ کن موڑ تھا۔ اس دوران بہت سے برطانوی پروموٹرز نے والد سے رابطہ کیا جن میں فرینک وارن بھی شامل تھا۔ فرینک نے کہا کہ میں ایک اور اولمپکس میں شریک ہونے کا انتظار کر کے اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ ایک امیچور باکسر کے طور پر کھیل جاری رکھنا میرے کیریئر کے لیے ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے۔ بیجنگ اولمپکس میں شرکت کا فیصلہ جوا کھیلنے کے مترادف ہو سکتا تھا۔

لیکن میں باکسنگ رنگ سے دور نہیں ہوا اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرتا رہا۔ میرا مدمقابل امریکی باکسر مائیکل ایونز تھا جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ایتھنز اولمپکس میں امریکہ کی نمائندگی نہیں کر سکا اور یہ کہ وہ مجھے شکست دے کر یہ ثابت کر دے گا کہ اسے ایتھنز اولمپکس میں شرکت کا موقع ملنا چاہیے تھا لیکن اس کے یہ دعوے میری جیت کی راہ میں حائل نہیں ہو سکے۔ بعدازاں میں نے ایسوسی ایشن کے سینئر لیول پر ڈیبیو کیا۔ میرا اولین مقابلہ کریگ واٹسن سے ہوا۔ اگرچہ میں نے واضح مارجن سے کامیابی حاصل کی لیکن میڈیا نے زبردست تنقید کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حالات تیزی سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کک ہمیشہ اس کی پیش گوئی کرتا رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر درست ٹھہرا تھا۔ بہت سے لوگ آپ کو بہتر پرفارم کرتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس رات میرا ایک اور مقابلہ ہوا اور مدمقابل لیام ڈوریان تھا۔ اس نے میرے ناک پر زوردار پنچ مارا جس کے باعث تیزی سے خون بہنے لگا لیکن میں بے دل نہیں ہوا اور اسے شکست دینے میں کامیاب رہا۔ اس سے اگلے مقابلے میں بھی فاتح رہا اور باآسانی کوارٹر فائنل تک پہنچ گیا۔ میں محض تین مقابلوں میں کامیابی حاصل کر کے انگلینڈ کا سینئر ٹائٹل اپنے نام کر سکتا تھا۔

وقت کی کمی کے باعث گرل فرینڈز نہیں بنا سکا

میرے پاس کبھی گرل فرینڈز بنانے کے لیے وقت نہیں رہا۔ لوگ میری اس بات پر یقین نہیں کرتے۔ ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ عامر خان کی بے پناہ دولت کے باعث اس کے لیے گرل فرینڈز بنانا مشکل نہیں ہے لیکن میرا مزاج یکسر مختلف ہے۔ میری توجہ ہمیشہ باکسنگ پر رہی ہے۔ میں دوستوں کے ساتھ کھانے پینے یا اس نوعیت کی دوسری سرگرمیوں میں زیادہ خوشی سے شریک ہوتا ہوں۔ مے نوشی نہیں کرتا جس کے باعث بارز میں میری دلچسپی زیادہ نہیں ہے۔ اگرچہ لڑکیاں میری جانب متوجہ ہوتی ہیں، وہ میرے ساتھ تصویر اترواتی ہیں یا کسی لطیفے کا تبادلہ ہوتا ہے لیکن اس سے بڑھ کر کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ اخبارات خبریں شائع کرتے رہے ہیں لیکن ان میں کوئی سچائی نہیں تھی۔

کوارٹر فائنل کے تمام ٹکٹ فروخت ہو چکے تھے۔ آصف نے اس سلسلے میں ایسوسی ایشن کے حکام سے بات کی اور مزید ٹکٹوں کا مطالبہ کیا لیکن یہ ممکن نہیں ہو سکا۔ بعدازاں آصف نے کلب کے حکام سے بات کی لیکن انہوں نے بھی معذرت کر لی اور کہا کہ آپ کو اس سے زائد ٹکٹ نہیں مل سکتے۔ والد اس بات پر طیش میں آ گئے۔ آصف نے ایسوسی ایشن کے حکام کے وعدے کے بارے میں بتایا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا شو ہے اور اس کا انتظام ہم اپنی مرضی سے کریں گے۔ آصف کے لیے یہ صورت حال پریشان کن تھی۔ انتظامیہ نے ڈنر شو کا اہتمام بھی کیا تھا جس کا مطلب ٹکٹوں کی قیمت یا دوسرے لفظوں میں ان کی آمدن میں اضافہ تھا۔ آصف نے وینیو تبدیل کرنے کی درخواست کی لیکن وہ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے۔ ایسوسی ایشن کے حکام نے کسی قسم کی مدد کرنے سے معذرت کر لی۔ میں پریشان ہو گیا۔ ہمارے ساتھ یہ رویہ کیوں کر اختیار کیا جا رہا ہے؟ وہ اولمپکس میں میری کامیابی کی بنا پر ٹکٹ فروخت کرنے میں کامیاب رہے تھے اور اب یہ ناروا سلوک حیرت انگیز تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے یہ ٹکٹ اپنے حامیوں میں فروخت کرنا تھے۔

لندن میں ہونے والے اکثر مقابلوں میں بدمزگی پیدا ہوتی رہی ہے۔ اس سے قبل بھی ایسا ہو چکا تھا، چناں چہ میں ایسی کسی خبر کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ والد نے صورت حال کی سنگینی سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ میں یہ ٹائٹل اپنے نام کرنا چاہتا تھا۔ ایسوسی ایشن کے حکام میری مدد کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا جس نے مجھے مایوس کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ یہ موقع مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ چناں چہ میں نے مقابلے سے دست بردار ہونے پر آمادگی ظاہر کر دی اور اس بارے میں ایسوسی ایشن کے حکام کو مطلع کر دیا۔ انہوں نے کچھ مہلت مانگی لیکن جب مقررہ وقت تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا تو ہم نے اس بارے میں پریس میں خبر جاری کر دی۔ ایسوسی ایشن کے حکام کی جانب سے تقریباً نصف گھنٹے بعد کال موصول ہوئی اور تین سو ٹکٹ دینے پر رضامندی ظاہر کر دی گئی لیکن اب دیر ہو چکی تھی اور میں اس چیمپئن شپ کا حصہ نہیں رہا تھا۔ اس کے باوجود ہم نے فائنل میں شرکت کی جہاں پر ایسوسی ایشن کو اگلی اولمپکس کھیلوں کی تیاری کے لیے ایک ملین پاؤنڈ سے زائد کا چیک دیا گیا۔ وہ یہ فنڈز میری بدولت حاصل کر سکے تھے لیکن انہوں نے میرے لیے کچھ نہیں کیا تھا جو میری پروفیشنل باکسنگ میں آنے کی ایک اہم وجہ بنی۔ اس ضمن میں ماریو کاسٹلان کے ساتھ فیصلہ کن مقابلہ بھی انتہائی اہم ثابت ہوا۔ دراصل سینئر ٹائٹل کے بعد برطانیہ اور کیوبا کے درمیان جوڑ پڑنا تھا۔ میں نے ایسوسی ایشن کے حکام سے درخواست کی کہ میں کاسٹلان کے مدمقابل آنا چاہتا ہوں لیکن انہوں نے یہ عذر تراشا کہ یہ ممکن نہیں کیوں کہ میں نے سینئر ٹائٹل میں کامیابی حاصل نہیں کی۔ ایک بار پھر ایسوسی ایشن میری راہ میں حائل ہو رہی تھی۔ چناں چہ کاسٹلان کے مقابل ایک دوسرا برطانوی باکسر رنگ میں اترا لیکن اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم نے ایک بار پھر ایسوسی ایشن کے حکام سے درخواست کی لیکن انہوں نے اسے ناممکن قرار دے دیا اور یوں ہماری ہر کوشش رائیگاں رہی۔ بہرحال فرینک وارن کی کوششوں کے باعث ایسوسی ایشن کے حکام یہ مقابلہ کروانے پر تیار ہو گئے۔ میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میں کاسٹلان کو شکست سے دوچار کر سکتا ہوں۔ لیکن کیوبا کے طائفے کو ویزے جاری نہیں کیے گئے۔ ہم پرامید تھے کہ ایسوسی ایشن کے حکام اس مقابلے سے منسلک تمام معاملات کو منظم کریں گے۔ ان حالات میں فرینک کے ایک دوست نے مدد کی اور بالآخر کیوبا کے باکسرز کو ویزہ مل گیا۔

والد اور آصف نے کاسٹلان اور کیوبا کے دوسرے باکسرز کو ایئرپورٹ سے ریسیو کیا اور ان کو ایک ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ ایسوسی ایشن نے اس کے لیے قطعی طور پر کوئی مالی معاونت فراہم نہیں کی۔ میرے لیے کاسٹلان سے مقابلہ انتہائی اہم تھا۔ اس دوران پروموٹرز مستقل طور پر رابطے میں رہے لیکن فرینک نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اگرچہ چند دوسرے پروموٹرز نے بہتر پیش کش کی تھی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑا اور بالآخر ہم نے معاہدے پر دستخط کر دیے۔ میں بولٹن واپس آ کر پروفیشنل ڈیبیو کی تیاری کرنے لگا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ہم نے پیسوں کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ میرے پیش نظر محض پروفیشنل باکسر بننا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ میرے لیے نئی ملازمت اختیار کرنے کی طرح ہوگا۔ میں نے امیچور مقابلوں میں غیرمعمولی کامیابیاں حاصل کی تھیں جس کے لیے مجھے پوری ٹیم کا تعاون حاصل رہا تھا۔ اب مجھے اپنے بل بوتے پر سب کچھ کرنا تھا اور نئے سرے سے بہت کچھ سیکھنا تھا۔ مجھے یہ سب غیرمعمولی طور پر عجیب محسوس ہوا لیکن فی الوقت کاسٹلان کو شکست سے دوچار کرنا اہم ترین تھا۔ میری پوری توجہ تیاری پر مرکوز رہی۔ بولٹن میں اس مقابلے کے پوسٹرز جابجا آویزاں کیے گئے تھے اور لوگ غیرمعمولی طور پر پرجوش تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں نئی تاریخ رقم کرنے جا رہا ہوں۔ یہ میرے کیریئر کا اہم ترین مقابلہ تھا جس کے بعد مجھے پروفیشنل باکسر کے طور پر اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا تھا۔ میرے خاندان اور فرینک کے علاوہ کوئی اس بارے میں آگاہ نہیں تھا۔ یہ کاسٹلان کا بھی آخری مقابلہ تھا اور وہ کسی طور پر شکست سے دوچار نہیں ہونا چاہتا تھا۔

اس کے ذہن میں لازمی طور پر یہ سوچ گردش کرتی رہی ہو گی کہ میں ہنوز بچہ ہوں۔ وہ گزشتہ چھ یا سات برس سے ناقابل شکست رہا تھا۔ کیوبا میں اسے ایک ہیرو کا درجہ حاصل تھا اور اس طرح کے کھلاڑیوں کو شکست دینا آسان نہیں ہوتا۔ میں اولمپکس کے بعد سے خود کو ذہنی طور پر کاسٹلان سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرتا رہا تھا اور تقریباً روز اس کی ویڈیوز دیکھا کرتا۔ میں خود کو دنیا کا بہترین امیچور باکسر ثابت کرنا چاہتا تھا اور ان لوگوں کے منہ بند کر دینا چاہتا تھا جنہوں نے میری صلاحیتوں پر سوال اٹھائے تھے یا یہ سوچا تھا کہ میں اسے شکست سے دوچار نہیں کر سکتا۔ بالآخر ہم دونوں رنگ میں ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ میں نہ صرف پرجوش تھا بلکہ کچھ پریشان بھی تھا۔ میں جارحانہ انداز اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا کیوں کہ کاسٹلان اسے پسند کرتا تھا۔ اور یوں وہ اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب رہتا۔ وہ مجھ سے ایسے ہی مقابلے کی امید کر رہا تھا۔ مجھے پہلے راؤنڈ کے اختتام پر اولمپکس کی طرح ایک پوائنٹ کی برتری حاصل تھی۔ میں نے دوسرے راؤنڈ میں بہتر کھیل پیش کیا جس سے میرے اعتماد میں اضافہ ہوا۔ تیسرے راؤنڈ میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ تھک گیا ہے اور بالآخر چوتھے راؤنڈ میں فتح میرا مقدر ٹھہری۔ میں ایک غیرمعمولی احساس سے سرشار ہو گیا۔ میں نے دنیا کے بہترین امیچور باکسر ماریو کاسٹلان کو شکست دی تھی۔

چند روز بعد میں نے ایک پریس کانفرنس میں اپنے پروفیشنل ڈیبیو کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ یہ مقابلہ 16 جولائی 2005ء کو بولٹن میں ہونا تھا۔ پروفیشنل گیم باکسنگ کی ایک یکسر مختلف جہت ہے۔ اس کا مطلب مختلف لوگوں سے ملنا اور نئے تعلقات استوار کرنا ہے۔ یہ سکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد یونیورسٹی میں داخل ہونے کی طرح تھا۔ میرے لیے سب کچھ نیا تھا اور کھیل کے رموز سے آگاہ نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی غیرمعمولی طور پر پرجوش بھی تھا۔ دولت کا حصول کبھی میرا مقصد نہیں رہا لیکن اب میں ایک امیر لڑکا بن چکا تھا۔ جب میں نے اپنی بینک منیجر سے ہفتہ وار الاؤنس مقرر کرنے کے لیے کہا تو اس نے استفسار کیا کہ مجھے ایک ہفتے کے دوران کس قدر الاؤنس کی ضرورت ہو گی: 50 پاؤنڈ، 100 پاؤنڈ، 500 پاؤنڈ یا ایک ہزار پاؤنڈ؟ جواباً میں نے دس کہا تو اس نے دس ہزار پاؤنڈ تصور کیا لیکن جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس قدر رقم سال بھر میں خرچ نہیں کر سکتا اور یہ کہ مجھے محض دس پاؤنڈ ہی چاہئیں تو وہ مسکرا دی۔ میں کبھی بہت زیادہ شاہ خرچ نہیں رہا۔

دولت کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ میں اپنے خاندان کی زندگی پرآسائش بنانے کے قابل ہو گیا تھا اور اس قدر کم عمری میں یہ میرے لیے باعث فخر تھا۔ میں نے خود بھی تھوڑی سی عیاشی کی اور نئے ماڈل کی ایک مہنگی گاڑی خریدی۔ اس سے قبل بولٹن میں ایسی گاڑی کسی کے زیر استعمال نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنی گاڑی میں مزید اضافے کیے اور اسے آرام دہ بنایا۔ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے اولین پروفیشنل مقابلے کے لیے اسی گاڑی پر گیا تھا۔ بعدازاں یہ گاڑی والد کو دے دی اور اپنے لیے ایک دوسری کار کا تحفہ خریدا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایک باکسر اور اس کے ٹرینر کے درمیان تعلق کی نوعیت اس کھیل میں انتہائی اہم ہے کیوں کہ دونوں کو ایک ساتھ بہت سا وقت گزارنا ہوتا ہے۔ مجھے گیارہ برس کی عمر سے کک کی سرپرستی حاصل رہی تھی اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ہم دونوں کا ساتھ خاصا بہتر رہا۔ میں اس کے الفاظ پر حرف بحرف عمل کرنے کی کوشش کیا کرتا۔ مجھے امیچور باکسر کے طور پر محض دو مقابلوں میں ہی شکست ہوئی جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم دونوں نے کس قدر کام کیا۔ اس نے ہمیشہ میری فطری صلاحیتوں کو پیش نظر رکھا اور کبھی اثرانداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔

بعدازاں میں نے ایک دوسرے ٹرینر کی خدمات حاصل کیں لیکن کاسٹلان کے خلاف رنگ میں اترنے سے قبل مجھے ایک نئے ٹرینر کی ضرورت تھی جس کے بعد مجھے یہ اہم فیصلہ کرنا تھا کہ کیا مذکورہ ٹرینر پروفیشنل باکسنگ میں میری ٹریننگ کے لیے موزوں رہے گا یا نہیں؟ میں نے فون پر کئی ایک ٹرینرز سے بات کی۔ فرینک سے بھی رہنمائی حاصل کی جس نے اولیور ہیریسن کا نام تجویز کیا جو اس وقت جرمنی میں کسی دوسرے باکسر کے ساتھ منسلک تھا لیکن وہ میری ٹریننگ پر آمادہ ہو گیا (چار برس بعد عامر خان نے اولیور ہیریسن کی خدمات لینے سے اچانک انکار کر دیا اور انکشاف کیا کہ اولیور ان کے مخالف کھلاڑی کی تربیت کر رہا تھا، مترجم)۔ اس کی تجزیاتی صلاحیت بہترین تھی اور وہ مجھے فیصلوں میں شامل کیا کرتا۔ وہ تجاویز دیتا اور یہ استفسار کرتا کہ میں نے کاسٹلان کو شکست دینے کے لیے کیا لائحہ عمل بنایا ہے۔ کک کی ٹریننگ کا انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ ہم دونوں میں احترام کا تعلق قائم ہو گیا۔ میں اس وقت تک تکنیکی اعتبار سے امیچور باکسر ہی تھا اور اولیور سے وابستگی کو پوشیدہ رکھا تھا۔ کک اور ٹیری ہی میرے باضابطہ ٹرینرز تھے۔ میں نے اس بارے میں ٹیری کو بھی نہیں بتایا تھا کیوں کہ وہ ایسوسی ایشن سے منسلک تھا۔ یوں میں فیصلہ سازی کے عمل کا حصہ بننے لگا اور کچھ امور کی ذمہ داری سنبھال لی لیکن ٹیری نے صورت حال کا ادراک کر لیا تھا۔ کاسٹلان سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد فرینک نے باضابطہ طور پر یہ اعلان کیا کہ میں پروفیشنل باکسنگ کا رُخ کر رہا ہوں اور تب ٹیری درست طور پر اس بارے میں آگاہ ہوا لیکن اس سے ہمارے تعلقات پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ ہم تاحال رابطے میں ہیں اور وہ مجھے اکثر کال کرتا رہتا ہے۔

بہرحال میرے اولین پروفیشنل مقابلے کے انعقاد میں زیادہ وقت نہیں تھا اور تیاری کے لیے محض چھ ہفتے تھے۔ اولیور کا جم گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور اس میں موجود ساز و سامان پرانا تھا جس نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ ایک اور اہم پہلو یہ تھا کہ اس جم سے کوئی بڑا نام وابستہ نہیں تھا جس کے باعث میں دوسرے کھلاڑیوں کے حسد سے محفوظ رہا۔ کچھ عرصے کے لیے برطانوی کرکٹر اینڈریو فلنٹوف (اب پروفیشنل باکسنگ میں بھی اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر رہے ہیں، مترجم) بھی اس جم سے وابستہ رہے۔ اولیور کا جم کے ارکان پر کوئی منفی اثر و رسوخ نہیں رہا اور اس نے میری تربیت کے لیے روایتی طریقہ اختیار نہیں کیا۔ امیچور باکسر کے طور پر آپ کی توجہ پوائنٹس کے حصول پر مبذول رہتی ہے اور حریف کو ناک آؤٹ کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی جب کہ ایک پروفیشنل باکسر کے طور پر آپ کو آخری لمحات تک رنگ میں کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ اگر آپ امیچور باکسر کی سٹریٹیجی پر عمل کرتے ہیں تو آپ کا مخالف آپ کو فوری طور پر ہرا دے گا۔ کھیل کے انداز میں تبدیلی کا یہ عمل آسان نہیں تھا۔ بہت سے کامیاب امیچور باکسرز کو اس میں خاصی مشکل درپیش آئی۔ پروفیشنل باکسنگ میں یکسر مختلف تکنیک استعمال ہوتی ہے۔ میں یہ سب سیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ امیچورز میں باکسرز میرے مقابل آنے سے گریزاں رہتے لیکن اب صورت حال مختلف تھی۔

میرے اولین مقابلے کے لیے مدمقابل باکسر کا انتخاب ایک مشکل مرحلہ تھا کیوں کہ اگر آپ ابتدا میں ہی دھوکے کرنے لگیں تو اس سے آپ کا کیریئر داؤ پر لگ سکتا ہے۔ بالآخر ڈیوڈ بیلی (David Bailey) پر نظر انتخاب پڑی۔ اس کی کامیابی کا تناسب 50 فی صد تھا۔ میرے کیریئر میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ کسی نے مجھے ناک آؤٹ کرنے کا چیلنج کیا تھا۔ یہ سب کچھ میرے لیے نیا تھا۔ اس سے قبل میں باکسنگ کو ایک کھیل کے طور پر دیکھتا تھا جس میں آپ کو اپنے مخالف کے ساتھ احترام کے ساتھ پیش آنا ہوتا تھا۔ یہ میرا پہلا مقابلہ تھا اور میں کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اولیور نے مختلف ورزشوں کے ذریعے میری قوت برداشت (Stamina) کو بڑھانے پر توجہ مرکوز کی۔ ورزش کے اولین سیشن نے تھکن سے نڈھال کر دیا لیکن یہ میری تربیت کے لیے ناگزیر تھا۔ اولیور مجھ سے بیک وقت 450 پنچ لگوایا کرتا۔

(جاری ہے)

2005ء کے کشمیر زلزلے کے بعد مظفر آباد کے دورے پر

خاندان کے ہمراہ ایک یادگار گروپ فوٹو

فٹ بال میچ کھیلنے کے بعد دوستوں کے ساتھ

پروموٹر فرینک وارن کے ساتھ پروفیشنل باکسنگ کے معاہدے پر دستخط کرتے ہوئے

علی عباس

اولمپکس کے دوران پریس کانفرنس کرنے کا تجربہ ہو چکا تھا جو پروفیشنل باکسنگ میں خاصا کام آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میری توجہ تربیت پر مرکوز رہی لیکن اس کا ہرچند یہ مطلب نہیں کہ مجھے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کبھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پروفیشنل باکسنگ میں میرا اولین مدمقابل ڈیوڈ بیلی سابق برٹش تھائی چیمپئن تھا۔ میں محض ایک امیچور باکسر تھا اور مجھے اس سے یہ سیکھنا تھا کہ ایک پروفیشنل باکسر رنگ میں کس طرح پیش آتا ہے۔ شہریوں میں بھرپور جوش وخروش پایا جا رہا تھا۔ والد کو کالیں اور ایس ایم ایس موصول ہوتے رہے۔ میں مطمئن تھا لیکن معمول سے کچھ زیادہ خاموش تھا۔ مقابلے کے روز صبح ساڑھے دس بجے بیدار ہوا۔ اب میں فون کال کا منتظر تھا تاکہ ہم روانہ ہو سکتے۔ اس کا انحصار ٹی وی چینل کے شیڈول پر تھا۔ ہم اس حوالے سے کام کرتے رہے تھے جو میرے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ وینیو زیادہ دور نہیں تھا۔ میں اور والد شام ساڑھے چھ بجے گھر سے روانہ ہوئے۔ گلی میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی اور یہ عام شاموں کی طرح کی ایک شام تھی۔ جب ہم سٹیڈیم سے متصل ہوٹل میں پہنچے تو وہاں تماشائیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ کوئی بڑا فٹ بال میچ ہونے جا رہا ہو۔ والد جذباتی ہو گئے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ لوگوں کی اس قدر کثیر تعداد یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے سٹیڈیم کا رخ کرے گی۔ یہ تمام لوگ ان کے بیٹے کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آئے تھے۔

رات کے ساڑھے نو بجے مقابلہ شروع ہونا تھا۔ میں ڈریسنگ روم میں موسیقی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اولیور، والد، کزن ساجد اور بھائی ہمراہ تھے۔ آصف اور [illegible] باہر آ جا رہے تھے۔ بالآخر مقابلے کا آغاز ہوا۔ بیلی رنگ [illegible] ہوا۔ تماشائیوں میں میرے دوست، کالج کے ساتھی اور جان پہچان والا تقریباً ہر شخص شامل تھا اور ان کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ میں پریشان ہو گیا۔ میں نے بھرپور تیاری کی تھی لیکن ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ حفاظتی ہیلمٹ کے بغیر رنگ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں نے رنگ میں اترنے کے بعد بیلی کی جانب دیکھا۔ یہ حیران کن تھا کہ وہ میرے سے کئی گنا زیادہ نروس تھا۔ یہ اس کے کیریئر کا ایک بڑا مقابلہ تھا جس کے باعث وہ خوف زدہ تھا۔ اس نے اس قسم کے وینیو پر کبھی مقابلہ نہیں کیا تھا۔ دوسری جانب میں گزشتہ چھ ہفتوں سے اس لمحے کا منتظر رہا تھا اور اب پروفیشنل ڈیبیو سے چند سیکنڈ کی دوری پر تھا۔ اور تب گھنٹی بج اٹھی۔ بیلی مجھ پر جارحانہ انداز میں حملہ آور ہوا۔ یہ اس کی پہلی غلطی تھی۔ میں نے اپنے ذہن سے سب کچھ نکال دیا تھا اور محض فتح یاب ہونا پیش نظر تھا۔ میں نے اپنے مدمقابل کے ہر داؤ کو ناکام بنا دیا جس کے باعث میرے اعتماد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ میں اسے ناک آؤٹ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ وہ زخمی ہو گیا تھا۔ میں نے دباؤ برقرار رکھا اور ایک منٹ کے کھیل کے بعد ہی اسے بے بس کر دیا۔ امیچور مقابلوں میں یہ شکست تصور ہوتی ہے لیکن پروفیشنل مقابلوں میں اس حوالے سے کوئی بھی فیصلہ ریفری کرتا ہے۔ چند سیکنڈز بعد ریفری نے کھیل روک دیا اور تب میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کم عمر ترین اولمپکس میڈلسٹ ہونے اور پروفیشنل ڈیبیو کرنے کے باعث خاصا دباؤ میں تھا۔ اولین مقابلہ ہمیشہ مشکل ہوتا ہے اور اس کے بعد ہی آپ پر یہ واضح ہوتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ میں نے کامیاب ڈیبیو کیا تھا اور خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس کے بعد سب کچھ آسان ہو گیا۔

اگلا مقابلہ باز کیری (Baz Carey) سے ہوا۔ میں نے کھیل کے آغاز سے ہی جارحانہ انداز اختیار کیا اور ایک لمحے کے لیے بھی اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ بہادری سے ڈٹا رہا لیکن اس کے ٹرینرز کو چاہیے تھا کہ وہ کھیل میں مداخلت کرتا۔ میں اپنے ساتویں مقابلے تک اسی طرح آسانی سے کامیاب ہوتا رہا تاوقتیکہ میرا آئرلینڈ کے شہر بیلفاسٹ میں لازلو کومجاتی (Laszlo Komjathi) سے مقابلہ ہوا۔ یہ میرا چھ راؤنڈز پر مشتمل اولین مقابلہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان چھ راؤنڈز میں کسی قسم کی مشکل محسوس نہیں کی۔ میرے مدمقابل نے اس مقابلے کے لیے بھرپور تیاری کی تھی۔ وہ گزشتہ دس برسوں سے پروفیشنل باکسنگ کے منظرنامے پر نمایاں تھا اور یورپین ٹائٹل کے لیے بھی کھیل چکا تھا۔ اس وقت تک میرا کانٹلان سے آخری امیچور مقابلہ ہوئے ایک برس کا عرصہ گزر چکا تھا اور اولیور کے ساتھ تربیتی سیشن بہتر رہے تھے۔ ایک بار پھر تماشائیوں کی بڑی تعداد ہال میں موجود تھی۔ میرے لیے اس کی بہت زیادہ اہمیت تھی کہ لوگ میرا مقابلہ دیکھنے کے لیے پرجوش ہوتے۔

کھیل شروع ہونے سے قبل فارغ وقت گزارنا خاصا مشکل لگتا۔ اس کا مطلب شہر میں چہل قدمی یا کسی ریستوران میں کھانا تناول کرنا ہوتا۔ لوگ مجھ سے ملاقات کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن ان میں سے بیشتر آگاہ نہیں ہیں کہ کس طرح پیش آنا ہے۔ بالآخر وہ ہمت مجتمع کر کے اپنے ساتھ تصویر اتروانے یا آٹوگراف دینے کی درخواست کرتے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں ذکر ہوا تھا کہ ان دنوں تقریباً روزانہ ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرنا پڑتا جس میں صحافی تقریباً ایک طرح کے ہی سوال پوچھتے۔ چناں چہ جب اگلے روز اخبارات میں خبر شائع ہوتی تو ان سب میں یکسانیت ہوتی۔ والد کو اگر کوئی خبر پسند آتی تو وہ اس کا ذکر کر دیتے لیکن میں چند سطور پڑھ کر ہی بیزار ہو جاتا۔

میں یہ جان چکا تھا کہ اب میں محض عامر خان نہیں تھا بلکہ اولمپکس سلور میڈلسٹ بھی تھا۔ یوں میرا ایک ہم زاد بھی پیدا ہو گیا تھا۔ لوگوں کی خواہش ہوتی کہ میں ان کی ہر قسم کی درخواستوں پر عمل کروں اور افتتاحی و اختتامی تقاریب میں شریک ہوں۔ وہ میرے پاس آتے اور اپنے منصوبے کی تمام تر جزئیات پر بات کرتے۔ اس قسم کی گفتگو تھکا دینے والی ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص یکساں نوعیت کی بات چیت کرتا لیکن لوگ اس کا ادراک کرنے سے قاصر تھے۔ ہر تقریب کے بعد مشورہ دینے والوں کی قطار لگ جاتی۔ میں جانتا تھا کہ انہوں نے گلی محلے کی سطح پر ہی باکسنگ کھیلی تھی اور اس کی باریکیوں سے واقف نہیں تھے۔ کچھ لوگ یہ استفسار کرتے کہ میں نے مائیک ٹائی سن سے کیوں کر مقابلہ نہیں کیا۔ اسی طرح بہت سے لوگ نمائشی مقابلے کی درخواست کرتے اور وہ سب نہایت سنجیدہ ہوتے۔

میری تمام تر توجہ باکسنگ کی جانب تھی۔ اگر میں لوگوں کی درخواستوں پر عمل کرنا شروع کر دیتا تو تربیت کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا۔ میں کسی کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چناں چہ میں نے بولٹن میں ایک دفتر قائم کر لیا جس کا انتظام میرے چچا طاہر، بہن تابندہ اور کاروباری شراکت دار آصف سنبھالتے۔ میں نے اپنا پتہ عامر خان، بولٹن دے رکھا تھا لیکن اس کے باوجود ڈاک موصول ہو جاتی۔ ہم نے کاروباری اور فلاحی سرگرمیوں کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ قبل ازیں ایتھنز اولمپکس کے کچھ عرصہ بعد پرتگال میں ہونے والی ایوارڈز کی ایک تقریب میں شرکت کا تجربہ شاندار رہا تھا جہاں پر تمام شہرۂ آفاق کھلاڑی جمع ہوئے تھے۔ ہم سب کو ایک بڑی دیوار پر اپنے دستخط ثبت کرنا تھے جب میں دستخط کر کے واپس مڑا تو مجھے ڈیوڈ بیکہم نے مخاطب کیا۔ کیا وہ مجھ سے بات کر رہا تھا؟ عامر! میں تمہارا بہت بڑا قدردان ہوں۔ وہ باکسنگ کے کھیل کو پسند کرتا تھا اور اس نے میرے سارے مقابلے دیکھے تھے۔ اس نے کہا کہ وہ ان سے بھرپور لطف اندوز ہوا۔

اس دوران ایک روزہ دورے پر سر رچرڈ برینسن کے ہمراہ برازیل جانے کا اتفاق ہوا جو دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک ہیں۔ کیوبا کے کھیلوں کے وزیر کی جانب سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ سر رچرڈ کے اسسٹنٹ پال نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہو سکے گا لیکن سر رچرڈ نے کہا کہ کیوبا کے وزیر کھیل سے ضرور ملاقات کرنی چاہیے اور میں تمہارے ہمراہ جاؤں گا۔ وزیر کھیل سے ملاقات دلچسپ رہی جس کے بعد ہم نے ایک قریبی ریستوران کا رخ کیا۔ ریستوران کا مالک میز تک آیا اور پوچھا کہ کیا تم برطانوی باکسر عامر خان ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ ایک بڑی فوٹو البم اٹھا لایا جس میں لیجنڈ محمد علی کی مذکورہ ریستوران میں کھانا کھاتے ہوئے تصویر لگائی گئی تھی۔ اس نے مجھ سے اپنے ساتھ تصویر اتروانے کی درخواست کی تاکہ وہ اسے البم کی زینت بنا سکے۔ جب ہم کھانا تناول کر کے فارغ ہوئے تو وہ فوٹو گرافر اور لائٹنگ کے آلات کے ہمراہ آ گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کسی میگزین کے لیے فوٹو شوٹ کروا رہا ہوں۔ اسی طرح جب ہم سڑک پر چہل قدمی کر رہے تھے تو ہر شخص ہماری طرف متوجہ تھا۔ یہ ایک شاندار احساس تھا۔ کیوبا کے لیجنڈ باکسر سٹیونسن نے آٹوگراف لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میرے لیے یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ کیوبا امیچور باکسنگ کا برازیل ہے۔ میں نے سٹیونسن اور ساوون (Savon) کے ساتھ تصویر اتروائی۔

جب میں نے باکسرز کو فراہم کی گئی سہولیات کا جائزہ لیا تو یہ میرے لیے حیرت انگیز نہیں تھا کہ کیوبا کے باکسرز نے عالمی مقابلوں میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ تمام پرانے کھلاڑی نئے آنے والے باکسرز کی کوچنگ کرتے۔ یہ اسی طرح تھا کہ آپ کی تربیت محمد علی کریں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کیوبا میں باکسنگ کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ اس اعتبار سے کیوبا کا دورہ انتہائی یادگار رہا۔ برطانیہ واپسی پر فلاحی سرگرمیوں میں شریک ہوتا رہا۔ ڈاکٹروں کی ایک تنظیم کی فلاحی تقریب میں شرکت سے چھ ہزار پاؤنڈز حاصل ہوئے جس سے مظفر آباد میں زلزلہ زدگان کے لیے ہسپتال تعمیر کیا جانا تھا۔ مشہور ہونے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ آپ معاشرتی تبدیلی کا باعث بن سکتے ہیں۔

میں یہ اعتراف کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ میرے خاندان کے ہر فرد نے میری رہنمائی کی۔ میں ان کی مدد اور دعاؤں کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن کیریئر کے آغاز سے ایتھنز اولمپکس میں میڈل حاصل کرنے تک تین لوگوں کا دست شفقت حاصل رہا۔ سب سے پہلے میں اپنے چچا اور ساجد

امیچور باکسنگ میں کانٹلان سے آخری معرکہ

ٹائی سن اور کرکٹر مائیکل وان سے یادگار ملاقاتیں

مشہور ہونے کا احساس غیر معمولی ہوتا ہے۔ وہ تمام لوگ جن کو میں ٹی وی پر دیکھا کرتا تھا مختلف تقریبات میں مجھ سے مصافحہ کرنے کے لیے خود پہل کیا کرتے۔ مائیک ٹائی سن سے دو بار ملاقات ہوئی۔ اس نے چند مفید تجاویز دیں۔ دوسری بار ساجد بھی ہمراہ تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ لوگ تصویریں اتار رہے ہیں تو وہ پرجوش ہو گیا۔ ٹائی سن نے ساجد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اگر تم لوگ آنے والے دنوں میں یہ سب کچھ کھو دیتے ہو تو یہ پذیرائی حاصل نہیں کر پاؤ گے۔ اس کے ساتھ ملاقات شاندار رہی۔ بعدازاں سونامی متاثرین کی امداد کے لیے ہونے والے ایک نمائشی فٹ بال میچ میں شریک ہونے کی دعوت ملی جس میں حال اور ماضی کے مشہور ستارے شرکت کر رہے تھے۔ کھیل کے اختتام پر میری ایک اجنبی شخص سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھ سے کرکٹ اور ساجد کے بارے میں بات شروع کر دی۔ میں آگاہ نہیں تھا کہ وہ کون تھا یا کیا کرتا تھا؟ چناں چہ اس سے استفسار کیا کہ تم اپنے کھیل کے بارے میں کچھ بتاؤ؟ اس نے ایک بار پھر کرکٹ اور انگلینڈ کے بارے میں بات شروع کر دی۔ میں نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ ایک کرکٹر ہے لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون تھا۔ بعدازاں معلوم ہوا کہ وہ برطانوی کرکٹ ٹیم کا کپتان مائیکل وان تھا۔

کے والد شاہد کا ذکر کروں گا۔ وہ 1967ء میں اس وقت بولٹن آئے جب دادا نے رہائش کا بندوبست کر لیا تھا۔ وہ انگریزی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے تھے۔ دادا نے ان سے کہا کہ ان کو سکول میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ہے تاکہ ہر کوئی ان کے نقش قدم پر چل سکے۔ دادا یہ چاہتے تھے کہ ان کی اولاد علم کے زیور سے آراستہ ہو۔ انہوں نے دیہاتی زندگی بسر کی تھی اور آگاہ تھے کہ یہ ماحول تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں ان کے بچوں کو زیادہ مواقع فراہم نہیں کر سکتا۔ ان دنوں دادا بارہ گھنٹے تک کام کیا کرتے۔ وہ ہر روز چچا کو انگریزی کے دو لفظ سیکھنے کے لیے دیتے اور دو شلنگ خرچہ دیا کرتے۔ وہ سکول میں واحد ایشیائی طالب علم تھے۔ بعدازاں جب والد اور میری دو پھپھیاں برطانیہ آ گئیں تو چچا نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا اور برٹش ایروسپیس میں انٹرن شپ شروع کر دی۔ وہ سکول کے دنوں میں کرکٹ کھیلا کرتے تھے لیکن بھی زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی۔ برٹش ایروسپیس کی ایک کرکٹ ٹیم بھی تھی جو بولٹن ایسوسی ایشن میں کھیلا کرتی تھی جہاں پر ان کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملا۔ اس کے ساتھ ہی وہ انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرنے میں کامیاب رہے لیکن ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ چچا مایوس نہیں ہوئے اور ٹیکسی ڈرائیور کے طور پر کام کرنے لگے جب کہ ملازمت کی تلاش بھی جاری رکھی۔

1970ء میں والد اپنی بہنوں اور والدہ کے ہمراہ برطانیہ آ گئے۔ ان کو بولٹن میں گزرے اپنے ابتدائی ایام کے بارے میں کچھ زیادہ یاد نہیں ہے۔ چچا کے برعکس والد شاہد کو سکول میں زیادہ مشکلوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ بتایا کرتے ہیں کہ وہ ایک اوسط درجے کے طالب علم تھے۔ جب دادا نے چچا کو گاڑی لے کر دی تو والد اس کا تیل اور ٹائروں کی ہوا چیک کیا کرتے۔ چچا کو کبھی اسے صاف کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ چھٹی کے روز والد ایک ورکشاپ پر کام کرنے لگے۔ ان دنوں گاڑیوں کی مرمت کا کام خاصا پرکشش کاروبار تھا۔ والد کے مطابق لوگ نئی گاڑیاں خریدنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن ان کو ورکشاپ سے ایک پینی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سرمایہ کاری تھی جو آنے والے دنوں میں منافع بخش ثابت ہوئی۔ اسی دوران ان کو ایک کمپنی میں مکینک کی ملازمت مل گئی۔ دوران انٹرویو کمپنی کے مالک نے ان سے کہا کہ میں آپ کے نام کا تلفظ درست طور پر ادا نہیں کر سکتا، چنانچہ شاہ کے نام سے مخاطب کیا کروں گا اور یوں ان کا یہ نام زیادہ معروف ہو گیا۔ اس دوران والد کی شادی ہوگئی اور بعدازاں دادا چل بسے۔ والد گھر کے واحد کفیل تھے۔ ان کے کاندھوں پر نہ صرف بیوی کی ذمہ داری آن پڑی تھی بلکہ دادی اور سب سے چھوٹے بھائی طاہر کی ضرورتوں کا خیال بھی رکھنا تھا۔ کچھ عرصہ بعد تابندہ پیدا ہوئی اور اس کے بعد میرا جنم ہوا۔ چچا شاہد کا گھر قریب ہی تھا جو واپس اس علاقے میں منتقل ہو گئے تھے جس سے والد کو خاصا سہارا مل گیا۔ پاکستان میں خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ مختلف رشتہ دار ایک ہی گھر میں قیام کرتے ہیں جس سے پیسوں کی بچت ہوتی ہے۔ پاکستان میں ایک تہائی آبادی خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے جس کے باعث بقا کے لیے مشترکہ خاندانی نظام کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہتا۔ انگلینڈ میں پاکستانی اور ایشیائی خاندان ہنوز ایک دوسرے کے قریب رہتے ہیں لیکن نئی نسل الگ گھروں میں منتقل ہوتا چاہتی ہے۔

والد سارا دن کام میں مصروف رہا کرتے اور بالآخر ایک پارٹنر کے ساتھ مل کر بولٹن میں اپنی ورکشاپ قائم کرنے میں کامیاب رہے۔ جب میں چھ برس کا تھا تو والد نے ایک کباڑ خانہ خرید لیا۔ اب وہ گاڑیوں کی مرمت کے علاوہ ان کو توڑنے کا کام بھی کیا کرتے۔ وہ انشورنس کمپنیوں سے گاڑیاں خریدتے اور ان کے پرزے الگ کر کے ان کو فروخت کر دیا کرتے۔ وہ جاپانی کاروں کی مرمت میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ کاروبار میں ترقی کے باعث والد ایک بڑا گھر خریدنے کے قابل ہو گئے۔ جب چچا طاہر اور تابندہ کی شادی ہوگئی تو انہوں نے ان کے قریب گھر لے لیا۔ اس کاروبار کی خوبی یہ تھی کہ والد کے پاس میرے ساتھ جانے کے لیے وقت ہوتا۔ جب میں نے باقاعدہ طور پر باکسنگ شروع کی تو انہوں نے اپنے کاروبار کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص کو سونپ دی اور بعدازاں ورکشاپ فروخت کر دی۔

سب سے چھوٹے چچا طاہر برطانیہ میں ہی پیدا ہوئے۔ وہ خاندان کے واحد فرد تھے جنہوں نے یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کی۔ ان کی عمر اس وقت گیارہ برس کی تھی جب دادا چل بسے۔ وہ

کیا آپ مانچسٹر یونائٹڈ سے وابستہ ہیں؟

ایک بار ایئرپورٹ پر میں نے ایک بچے کو اپنی جانب گھورتے ہوئے دیکھا، چنانچہ میں اس سے گپ شپ لگانے لگا جس پر وہ بچہ خاصا خوش ہوا۔ میں نے خود کو کبھی دوسروں سے ممتاز تصور نہیں کیا۔ والدہ سے گھر کی صفائی نہ ہونے پر اکثر ڈانٹ سننا پڑتی ہے۔ بہرحال گھر سے باہر کسی حد تک یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک مشہور شخصیت بن چکا ہوں۔ اس وقت خاصی پریشانی ہوتی ہے جب لوگ آپ کو شناخت نہیں کر پاتے۔ پاکستان جاتے ہوئے ایک بار طیارے میں کچھ بچوں کو یہ پتہ چل گیا کہ میں جہاز پر سوار ہوں، وہ میری نشست پر آ گئے۔ میں بزنس کلاس میں بیٹھا تھا۔ جہاز کا عملہ آگاہ نہیں تھا کہ میں کون ہوں اور وہ بچوں کو باہر نکل جانے کا کہتے رہے۔ یہ بزنس کلاس ہے اور آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ ایئر ہوسٹس بچوں کو والدین کے پاس لے گئی اور کہا کہ یہ بار بار بزنس کلاس کا رخ کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے اسے میرے بارے میں بتایا تو وہ سخت شرمندہ ہوئی۔ ایک دوسرے ٹرپ پر مجھ سے کسی نے استفسار کیا کہ کیا آپ مانچسٹر یونائٹڈ سے وابستہ ہیں؟ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ اندازہ کس طرح لگایا لیکن میں نے اثبات میں جواب دیا۔

والد سے دس برس چھوٹے تھے اور میری طرح بولٹن میں ہی پلے بڑھے۔ وہ سکول میں روتی ایرانی سے ایک برس جونیئر تھے۔ انہوں نے بولٹن کالج سے فارغ ہونے کے بعد الیکٹرونکس میں ڈگری حاصل کرنے کے لیے ہڈرسفیلڈ میں یونیورسٹی آف ہڈرسفیلڈ شائر میں داخلہ لے لیا۔ دادی نے کوشش کی کہ چچا یونیورسٹی کے قریب ایک رشتہ دار کی طرف قیام کریں لیکن چچا نے انکار کر دیا۔ وہ 1994ء میں یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے جس پر خاندان بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ چچا طاہر سے میرا تعلق ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کا اپنے بھائیوں شاہد اور شاہ کے ساتھ ہے۔ وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک والد کے ساتھ ورکشاپ پر کام کرتے رہے اور بعدازاں ان کو ایک آئی ٹی فرم میں ملازمت مل گئی۔ وہ اکاؤنٹ منیجر تھے۔ میں ان کی تنخواہ کا بڑا حصہ کمپیوٹر گیمز خریدنے پر اڑا دیتا۔

چچا طاہر کی ڈگری ضائع نہیں ہوئی اور انہوں نے تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں لیکن جب میں نے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تو انہوں نے والد اور آصف کا بھرپور ساتھ دیا۔ میرے لیے خاندان کا تعاون انتہائی اہم تھا۔ میں مقابلوں پر توجہ مرکوز کر سکتا تھا جب کہ والد اور چچا دیگر امور سنبھالتے۔ دوسری جانب چچا شاہد نے ویسٹ بولٹن کے نام سے ایشیائی کھلاڑیوں کی ٹیم کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا اور تب ہی ساجد کی کرکٹ میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ گیارہ برس کی عمر تک وہ اپنی صلاحیتوں کا کھل کر اظہار کرنے لگا تھا۔ اسی دوران اسے بولٹن انڈین کرکٹ کلب کی جونیئر ٹیم میں شامل کر لیا گیا۔ تین ہفتوں بعد ہی کلب نے اسے جونیئر لیول سے ہٹا دیا کیوں کہ اس کی کارکردگی غیر معمولی طور پر بہترین تھی۔ وہ اس وقت خاندان کا سپر سٹار اور میرا حقیقی ہیرو تھا۔ چچا نے اسے شمالی بولٹن کے ایک بڑے کلب میں داخل کروا دیا۔ وہ رنز کے ڈھیر لگا دیتا اور وکٹ پر کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتا تھا۔ ہر برس چچا ساجد کو لے کر لنکا شائر کے ٹرائلز پر جاتے لیکن ان کا جواب ہمیشہ نفی میں ہوتا اور جب ساجد سترہ برس کا ہوا تو لنکا شائر کی جانب سے اسے ایک زخمی ہونے والے کھلاڑی کی جگہ پر ٹیم میں شامل کر لیا گیا۔ اس نے اولین میچ میں ہی سب سے زیادہ وکٹیں حاصل کیں اور ٹاپ سکورر رہے۔ ساجد نے یہ پورا سیزن لنکا شائر انڈر 17 کی جانب سے کھیلا اور غیر معمولی کارکردگی دکھائی۔ اس دوران میں نے باکسنگ میں اپنے کیریئر کا آغاز کر دیا تھا۔ اولین فتح پر چچا شاہد نے 5 پاؤنڈز انعام کے طور پر دیئے۔ بہرحال ساجد نے ان کامیابیوں کے بعد پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور اسے لنکا شائر کی جانب سے سکالرشپ بھی مل گئی۔ یہ خاندان کے لیے ایک بڑی خوش خبری تھی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ جب میں ایسوسی ایشن کے حکام پر زور دے رہا تھا کہ مجھے اولمپکس

کوالیفائنگ راؤنڈ میں شرکت کا موقع دیا جائے، ان دنوں ہی ساجد کو انگلینڈ کرکٹ اکیڈمی کی جانب سے دورہ انڈیا کے لیے منتخب کر لیا گیا۔

میں اور ساجد ہم مزاج ہیں، اس کو کھیلنے اور اعلیٰ کارکردگی دکھانے کا جنون ہے لیکن وہ تاریخ کے بارے میں زیادہ آگاہی نہیں رکھتا۔ جیسا کہ دورۂ انڈیا کے دوران ایک شخص نے ان سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ ساجد نے نفی میں جواب دیا۔ وہ دنیا کے بہترین باؤلر روفیس گلی تھے۔ ساجد نے ان کے بارے میں سن رکھا تھا لیکن ان کو کبھی دیکھا نہیں تھا۔ بعدازاں جب میں نے اولمپکس کے لیے کوالیفائی کر لیا تو ساجد کو انگلینڈ کے ون ڈے سکواڈ میں شامل کر لیا گیا اور اس نے نیوزی لینڈ کے خلاف ڈیبیو کیا۔ ساجد کا چھوٹا بھائی راقیب بھی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اسی طرح میرے چھوٹے بھائی ہارون نے بھی قابل ذکر کامیابیاں حاصل کی ہیں اور یہ سب خاندان کے تعاون کے باعث ہی ممکن ہو سکا ہے جنہوں نے ہمارے کیریئر کے لیے بہت بڑی قربانیاں دیں۔ ہارون اور راقیب کے لیے اپنی صلاحیتوں کو ثابت کرنا مشکل تھا کیوں کہ ان کے بڑے بھائیوں نے ایک مثال قائم کر دی تھی۔ ان کا ہمیشہ ہم سے ساتھ موازنہ کیا گیا لیکن میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی اچھا کیا۔

میں پروفیشنل باکسنگ کے مقابلے کی تیاری کر رہا تھا جب پاکستان کے شمالی علاقوں میں خوفناک زلزلہ آیا۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ آپ ٹی وی پر تباہی کی خبریں دیکھتے ہیں اور نظرانداز کر دیتے ہیں۔ یہ ایک مختلف واقعہ تھا جس نے میرے جاننے والے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا۔ ایسا کوئی دن تھا کہ بولٹن میں بسنے والے ہر پاکستانی خاندان کا کوئی نہ کوئی دوست یا عزیز جان کی بازی ہار گیا تھا۔ والد نے پاکستان خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا۔ ہمارے جاننے والے سب لوگ محفوظ تھے۔ چند روز بعد پتہ چلا کہ بولٹن سے لوگ پاکستان جا رہے ہیں۔ ان حالات میں آپ فطری طور پر مشکلات کا شکار افراد کی مدد کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ لندن میں ہونے والے بم دھماکوں نے میری ذہنی طور پر خاصی تربیت کی تھی کیوں کہ میڈیا میں مجھے ایک کھلاڑی کے بجائے ایشیائی شہریوں کے نمائندہ کے طور پر مدعو کیا جاتا۔ اس سے میں نے یہ سبق سیکھا تھا کہ میں سماجی بہتری لانے کے لیے کردار ادا کر سکتا ہوں۔ چنانچہ جب میں نے کشمیر میں آنے والے زلزلے کی خبر سنی تو متاثرین کی مدد کرنے کی ٹھان لی۔ میں نے مختلف فلاحی اداروں سے رابطہ کیا، اس دوران ایک

غیر سرکاری تنظیم سے وابستہ خاتون شائستہ عزیز نے رابطہ کیا لیکن میرے لیے فی الحال کسی فلاحی پروگرام کا حصہ بننا ممکن نہیں تھا۔ میں اپنے طور پر فنڈ ریزنگ کرتا رہا۔ اور جب باکسنگ سے فراغت کے لمحات میسر آئے تو والد، ہارون اور ایک دوست کے ہمراہ اسلام آباد کے لیے محو پرواز تھے۔ ہم نے اس رات ہوٹل میں قیام کیا اور اگلے روز مظفرآباد کے لیے روانہ ہوئے۔ ہر طرف تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دل دہلا دینے والا منظر تھا۔ لوگوں کی حالت زار دیکھ کر میری آنکھوں میں نمی اتر آئی کیوں کہ خوراک کی کمی پیدا ہو گئی تھی اور لوگ فاقہ کشی کرنے پر مجبور تھے۔ وہ شدید سردی میں عارضی گھروں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں نے مظفرآباد کے نواح میں ایک کیمپ میں چند گھنٹے گزارے لیکن میں اندازہ کر سکتا تھا کہ لوگوں کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ہم نے عارضی طور پر قائم کی گئی دکانوں سے کھانے پینے کی مختلف اشیاء خریدیں اور انہیں متاثرین میں تقسیم کر دیا۔ اسی دوران شائستہ دوڑی ہوئی آئی اور اس نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور کہا کہ اس طرح کچھ لوگوں کو امداد مل جائے گی اور کچھ محروم رہ جائیں گے جس کے باعث کیمپ میں مسائل پیدا ہوں گے۔ یہ ایک اور سبق تھا جو مجھے حاصل ہوا۔

خاندان کے افراد سپورٹ کرتے ہوئے

زلزلہ زدگان کے لیے فنڈ ریزنگ مہم کے دوران، والد اور چچا طاہر کے ہمراہ

باکسنگ کے لیجنڈ میلکس ساوون اور والد کے ساتھ

میں نے عارضی سکولوں میں زیر تعلیم طالب علموں سے ملاقات کی۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرے اپنے عزیز بھی زلزلہ کی زد میں آ سکتے تھے۔ یہاں پر میری ان بچوں سے بھی ملاقات ہوئی جو والدین کے سایے سے محروم ہو گئے تھے۔ نو سال کے ایک بچے نے بتایا کہ اس کے والدین زلزلہ میں مارے گئے ہیں۔ وہ اور اس کے دو بھائیوں کی دیکھ بھال اس کی بڑی بہن کرتی ہے جس کی عمر محض چودہ برس ہے۔ اس کا مجھ پر گہرا اثر ہوا اور میرے عزم و ولولے میں مزید اضافہ ہو گیا۔ شائستہ مجھ سے میری خیریت دریافت کرتی رہی اور کہا کہ وہ میری مدد کے لیے ہمہ وقت یہاں پر موجود رہے گی۔ لوگوں کو اس تکلیف میں دیکھ کر پریشان ہونا فطری تھا۔ یہ بچے باہمت تھے جنہوں نے فوری طور پر حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ برطانیہ میں حکومت یہ یقینی بناتی ہے کہ لوگوں کا طرز زندگی ایک خاص نہج سے گرنے نہ پائے اور ہنگامی صورت حال پیدا ہونے کی صورت میں فوری طور پر مدد فراہم کرتی ہے لیکن پہاڑوں کے دامن میں بسنے والے ان لوگوں تک کسی قسم کی امداد نہیں پہنچ پائی تھی۔ خدا پر یقین اور امدادی اداروں کے تعاون کے باعث وہ حالات کا مقابلہ کر پائے۔ اس روز ہم نے بہت زیادہ کام کیا۔ لوگ آگاہ نہیں تھے کہ میں کون ہوں لیکن جب ان کو یہ بتایا گیا کہ میں ایک باکسر ہوں جس نے اولمپکس کھیلوں میں میڈل حاصل کیا ہے تو وہ پرجوش ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے میری زندگی اور باکسنگ کے متعلق سوال کیے۔ اس سے ان کو یہ احساس ہوا کہ دنیا کو ان کی فکر ہے اور وہ تنہا نہیں ہیں۔

میں نے میڈیا کو متعدد انٹرویوز دیئے۔ میرے لیے متاثرین کے مصائب بیان کرنا آسان نہیں تھا۔ بعدازاں ہم نے اسلام آباد واپسی کا سفر اختیار کیا۔ یہ میری زندگی کے مشکل ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ میں نے بہت کچھ سیکھا تھا اور برطانیہ واپسی پر متاثرین کی امداد کے لیے اپنی کوششوں کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ والد نے کہا کہ مجھے کچھ روز آرام کرنا چاہیے۔ میں تھک گیا تھا لیکن اس کے باوجود میں متاثرین کی مدد کے لیے پرعزم تھا۔ میں نے ایک فلاحی تقریب میں شرکت کی۔ میری خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ امداد حاصل کر پاؤں۔ میں محض 19 برس کا تھا لیکن اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لایا۔ لوگوں نے غیر معمولی تعاون کیا۔ میں ہر جگہ اپنے دستانوں کی نیلامی کر رہا تھا۔ بریڈفورڈ میں میرا ایک دستانہ پانچ ہزار پاؤنڈز میں نیلام ہوا۔ چند ہفتوں بعد گلاسگو میں ایک تقریب کے دوران دوسرا دستانہ بھی اسی قیمت پر نیلام ہو گیا۔ یوں میں معقول رقم اکٹھی کرنے میں کامیاب رہا۔ چار ماہ بعد ایک بار

پھر متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ اب چند خاندان ہی کیمپ میں مقیم تھے۔ حکومت نے ان سے کہا تھا کہ وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں۔ میں نے کچھ بچوں سے ملاقات کی جن سے میری گزشتہ دورے کے دوران بھی بات چیت ہوئی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ انہوں نے مجھے یاد رکھا تھا۔ لیکن ان کی آنکھوں میں مایوسی کی جھلک نمایاں تھی۔ ایک دوسرے کیمپ میں میری ایک اور خاتون سے ملاقات ہوئی جس کا چہرہ میری آنکھوں میں ٹھہر گیا۔ اس کا خاوند زلزلے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ اس کے چار بچے تھے جو اس کے ساتھ کیمپ میں ٹھہرے ہوئے تھے جس کی حالت خاصی خراب تھی۔

اپنے اولین دورے کی طرح اس بار بھی میں نے متاثرہ علاقوں میں ایک روز ہی قیام کیا اور بعدازاں اسلام آباد میں ایک بڑی پریس کانفرنس کی جس میں میڈیا کے نمائندوں کی کثیر تعداد شریک ہوئی۔ لیکن برطانوی اخبار سنڈے ٹائمز میں شائع ہونے والے مضمون نے مجھے چونکا دیا۔ مذکورہ اخبار کا رپورٹر پاکستان آیا ہوا تھا۔ میں نے ایک بڑے برانڈ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی کیوں کہ یہ ان کے ساتھ میری ڈیل کا حصہ تھا

لیکن اس صحافی نے اسے غلط رنگ دیا اور یہ تاثر دیا کہ شاید میں اس کمپنی کی تشہیر کر رہا ہوں۔ میں پاکستان متاثرین کی مدد کرنے کے لیے آیا تھا۔ ان بچوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ میں نے کس برانڈ کا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ محض اس بات پر ہی خوش تھے کہ میں ان کے درمیان تھا۔ یہ میرے بارے میں کسی اخبار میں شائع ہونے والا منفی نوعیت کا اولین مضمون تھا۔ والد شدید ملال تھے۔ اس مضمون میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ میرا کیریئر مشکوک ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ میرے تمام تر معاملات میرا خاندان منظم کر رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں والد کو ذمہ دار قرار دیا گیا تھا کیوں کہ وہ میری دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اس پر مجھے مایوسی ہوئی تھی کیوں کہ والد نے ہمیشہ میرا بہتر ہی سوچا تھا۔ میں پہلا پروفیشنل ایتھلیٹ نہیں تھا جس نے کمرشل ڈیل کی تھی۔ میں نے اپنے وکلا کو مذکورہ اخبار کے خلاف کارروائی کی ہدایت کی اور بالآخر یہ کیس ہم جیت گئے۔ اخبار نے مجھ سے اور والد سے معذرت کی اور ہرجانہ ادا کیا جو ہم نے ایک فلاحی ادارے کو عطیہ کر دیا۔

میں لوگوں کو خود پر یوں بے سروپا الزام عائد کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ میرے میڈیا کے ساتھ بہتر تعلقات رہے ہیں۔ باکسنگ پر لکھنے والے مصنفین کی تحریروں سے مجھے کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ اگرچہ وہ تنقید کرتے ہیں لیکن ان میں الزامات نہیں ہوتے۔ میں زلزلہ متاثرین کی مدد کرنے پر خوش تھا۔ بہرحال مجھے یہ ادراک ہو گیا تھا کہ میں ایک عام نوجوان نہیں ہوں اور لوگوں کے کام آ سکتا ہوں۔ میرے لیے یہ احساس متاثر کن تھا۔ (جاری ہے)

باکسنگ کی دنیا کا جگمگاتا ستارہ عامر خان

(آخری قسط)

پاکستانی نژاد برطانوی باکسر کی جدوجہد اور سفرِ زیست

علی عباس

اولمپکس سے قبل وقت کی کمی کے باعث میں ڈرائیونگ نہیں سیکھ سکا تھا لیکن فراغت کے لمحات میسر آتے ہی میں نے اس جانب توجہ مبذول کرلی۔ بولٹن میں بہت سے ڈرائیونگ سکول ایسے تھے جو مجھے بلامعاوضہ تربیت دینے پر تیار تھے۔ اس دوران کک کے توسط سے میرا ایک کمپنی سے رابطہ ہوگیا۔ انسٹرکٹر کا نام گریگ تھا جس نے میرے بارے میں مختلف ٹی وی چینلوں کے ذریعے سن رکھا تھا۔ میں تقریباً ایک برس تک تربیت حاصل کرنے کے بعد ڈرائیونگ لائسنس کے حصول کے لیے ٹیسٹ دینے کے قابل ہوسکا۔ اس دوران میڈیا پر زبردست کوریج ہوتی رہی۔ میں ڈرائیونگ سیکھ رہا ہوتا تو بہت سے لوگ سڑک کے اطراف میں کھڑے ہوجاتے جو آٹوگراف لینے یا میرے ساتھ تصویر اتروانے کے خواہاں ہوتے۔ گریگ کے لیے یہ تجربہ بالکل نیا تھا۔ جب لوگ میرے سے آٹوگراف لے کر فارغ ہوجاتے تو وہ گریگ کی جانب متوجہ ہوتے اور اس سے رابطہ نمبر حاصل کرتے تاکہ ایک ایسے انسٹرکٹر سے تربیت حاصل کرسکیں جس نے عامر خان کو ڈرائیونگ سکھائی تھی۔

گریگ کا خیال تھا کہ میں تین ماہ میں ٹیسٹ دینے کے قابل ہوجاؤں گا لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ ایتھنز سے واپسی کے بعد مصروفیات میں خاصا اضافہ ہوگیا تھا۔ میں اپنے طور پر والد اور چچا سے ڈرائیونگ سیکھتا رہا۔ بعدازاں جب گاڑی خرید لی تو میں اور ساجد خوب مشق کیا کرتے۔ گریگ ہمیشہ احتیاط کرنے کی تلقین کرتا اور کہتا کہ تم نے ڈرائیونگ لائسنس کے لیے امتحان پاس نہیں کیا۔ میرے علاوہ اس سے کزن راقیب اور بہنوئی گوہر نے ڈرائیونگ سیکھی۔ گوہر نے برطانیہ آنے سے قبل انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس حاصل کرلیا تھا جو ایک برس تک کارآمد تھا جس کے بعد ڈرائیونگ ٹیسٹ دینا لازم تھا۔ اس نے ڈرائیونگ لائسنس کی میعاد ختم ہونے سے دو روز قبل ٹیسٹ دیا۔ پاکستان میں ایک ہاتھ سے ڈرائیونگ کرنے کا رواج عام ہے کیوں کہ عموماً ایک ہاتھ سٹیئرنگ وہیل پر ہوتا ہے اور دوسرا کھڑکی سے باہر لٹک رہا ہوتا ہے۔ بیک مرر استعمال کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور موڑ کاٹتے ہوئے ہارن بجا دینا ہی کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

میں نے نومبر 2005ء میں ٹیسٹ دیا جب مجھے ڈرائیونگ سیکھتے ہوئے تقریباً ایک برس ہوگیا تھا۔ اس کی ایک وجہ میری مصروفیت تھی اور دوسرا تھیوری کا ٹیسٹ رکاوٹ بنتا رہا۔ میں ڈرائیونگ کرلیتا تھا اور میرا خیال تھا کہ تھیوری آسان ہوگی، چناں چہ میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ ٹیسٹ کے پہلے حصے میں 35 سوال پوچھے جاتے ہیں جب کہ دوسرے حصے میں مشکلات کو عبور کرنے کی صلاحیت کو جانچا جاتا ہے جس میں بنیادی طور پر ایک ویڈیو دکھائی جاتی ہے۔ اگر آپ سڑک پر کوئی رکاوٹ دیکھتے ہیں جیسا کہ کوئی بچہ کھیل رہا ہے تو آپ کو فوری طور پر ماؤس کلک کرنا ہوتا ہے۔ میں اس امتحان میں کامیاب رہا لیکن سوالات کے سیکشن میں مشکل درپیش آتی رہی۔ 35 میں سے 31 سوالوں کے جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے مانچسٹر میں تین بار کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اگلی بار میں نے بولٹن میں ٹیسٹ دیا۔ سوالوں کے جواب دینے میں کامیاب رہا لیکن بدقسمتی سے دوسرے حصے میں ناکام ہوگیا۔ بالآخر بھرپور تیاری سے پانچویں بار تھیوری کا ٹیسٹ دیا اور پاس ہوگیا۔ اگلا مرحلہ آسانی سے عبور کرلیا اور یوں لائسنس حاصل کرنے کا اہل ہوسکا۔ میں اب اپنی گاڑی میں آزادانہ طور پر گھوم سکتا تھا لیکن پولیس جب اس عمر کے نوجوانوں کو ڈرائیونگ کرتے ہوئے دیکھتی تو انہیں ضرور روکتی۔ میں بھی زیادہ عرصہ تک نہیں بچ پایا۔ انہوں نے مجھ سے مختلف سوال پوچھے اور مکمل تصدیق کرنے کے بعد چھوڑا۔ بعدازاں پولیس نے چند بار مزید روکا۔ اگر وہ پہچان جاتے تو آٹوگراف پر جان چھوٹ جاتی۔

لائسنس کے حصول کے بعد میرے لیے فاصلے سمٹ گئے تھے۔ میں ہر جمعرات کے روز وسطی بولٹن کا رخ کیا کرتا جہاں پر نوجوان مانچسٹر، پریسٹن اور دیگر شہروں سے صرف اپنی گاڑیوں کی نمائش کے لیے آتے۔ میں پہلی بار اولمپکس سے قبل ایک دوست کے ساتھ یہاں آیا تھا، اس وقت کوئی مجھے نہیں جانتا تھا۔ آپ گاڑی پارک کرتے ہیں اور دوسری گاڑیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ جب میں اپنی کار پر پہلی بار یہاں آیا تو لوگوں کی جانب سے بھرپور پذیرائی حاصل ہوئی۔ لوگ میری جانب آتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کررہے تھے، چناں چہ میں اپنی کار سے باہر آیا اور ان کی کاروں کی تعریف کی۔

ایک کھلاڑی کی حیثیت سے میں کہیں پر بھی رہائش اختیار کرسکتا تھا۔ لوگ یہ تصور کرتے تھے کہ ایک نوجوان کی حیثیت سے لندن میں پرتعیش زندگی کا انتخاب کروں گا لیکن میں نے ہمیشہ بولٹن میں رہنے کو ترجیح دی۔ لندن میں زندگی خاصی مصروف ہے اور ہر طرف ٹریفک کا اژدہام ہوتا ہے۔ میں نے دنیا بھر کی سیاحت کی ہے لیکن بولٹن واپس لوٹ کر ہمیشہ طمانیت کا احساس ہوا۔ ساجد میرا بہترین دوست ہے۔ وہ میری ہر اچھی اور بری عادت سے واقف ہے۔ لوگ جب مجھ سے فون نمبر مانگتے تو میں انہیں ساجد کا نمبر دے دیتا۔ ساجد صبح کے وقت ایک کال سنٹر میں ملازمت کرتا اور باقی وقت میرے ساتھ گزارتا۔ ہم دونوں ایک ساتھ خریداری کرنے جاتے ہیں۔ ایک بار اسی طرح خریداری کررہے تھے کہ دکاندار دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور پوچھا "کیا تم ٹاپ باکسر عامر خان ہو؟" میرے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے کہا کہ وہ مجھے کچھ دینا چاہتا ہے۔ وہ ایک ایشیائی باشندہ تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور بیس بیس پاؤنڈز کے نوٹ میری ہتھیلی پر رکھ دیے۔ میں نے کہا کہ میں یہ نہیں رکھ سکتا۔ وہ بضد رہا۔ میں نے ساجد کی جانب دیکھا۔ ایشیائی کمیونٹی میں یوں تحائف دینا روایت کا حصہ ہے۔ ساجد کے کہنے پر میں نے یہ پیسے رکھ لیے۔ اس شخص نے کہا کہ تم جہاں کہیں جاؤ گے، مجھے یاد رکھو گے۔ ہم نے دکان سے باہر آکر ان پیسوں کی گنتی کی جو تقریباً دو سو پاؤنڈز تھے۔

ایک بار بھوت گھر جانا ہوا۔ میں اور ساجد قہقہے لگا رہے تھے لیکن جب اندر داخل ہوئے تو بچوں کی طرح خوف زدہ ہوگئے۔ ساجد کہنے لگا کہ عامر! تم باکسر ہو، چناں چہ پہلے تم داخل ہوگے۔ کچھ عرصہ بعد ہم لیورپول کو سپورٹ کی غرض سے چیمپئنز لیگ کا فائنل دیکھنے کے لیے استنبول گئے۔ کچھ روز ترکی میں ٹھہرے اور خریداری کرتے رہے۔ میں اسی طرح کے دوروں سے ہمیشہ ڈھیروں شاپنگ کرکے واپس لوٹتا ہوں۔ ایک بار دبئی سے ابا، اماں کے لیے ایک بڑا گلوب لے کر آیا۔ یہ ایک یادگار ٹرپ تھا کیوں کہ ہم سب دوست پہلی بار ایک ساتھ دبئی گئے تھے۔

دوسری جانب میرے لیے مواقع کے در کھل گئے تھے۔ سال کے بہترین کھلاڑی کے ایوارڈز کی تقریب میں اینڈی مرے سے تعارف ہوا۔ اس کی اور میری عادات میں خاصی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس کے لیے ٹینس ہی سب کچھ ہے۔ اسی طرح میری زندگی میں باکسنگ کو ہمیشہ اولیت حاصل رہی۔ جب مقابلہ قریب ہوتا تو میرے جوش و خروش میں اضافہ ہوجاتا اور دوستوں کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی۔ میں نے جولائی 2005ء میں پروفیشنل باکسنگ کی دنیا میں قدم رکھا اور تقریباً ہر چند ماہ بعد میرا مقابلہ ہوتا۔ امیچور باکسر کے طور پر پوری ٹیم کا تعاون حاصل رہا تھا لیکن پروفیشنل باکسنگ میں تنہا ہی اس دباؤ کا سامنا کرنا تھا۔ میں خوش تھا کہ میں نے باکسنگ کا انتخاب کیا اور اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ باکسنگ کے بغیر میری زندگی یکسر مختلف ہوتی جس کے لیے میں نے خاصی قربانیاں دی ہیں۔ دولت کا حصول زبردست رہا۔ یہ بہتر محسوس ہوتا ہے کہ آپ وہ چیزیں خرید سکیں جنہیں قبل ازیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ میں نے کبھی اپنا گھر خریدنے کا نہیں سوچا تھا لیکن میرا یہ خواب جلد ہی پورا ہوگیا۔ یہ دراصل ایک بنگلہ ہے اور ہم نے اس میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔ یہ ایک مکمل گھر ہے اور بولٹن میں مرکزی شاہراہ سے کچھ ہٹ کر ہے۔

میں فرصت ملتے ہی گاڑی پر سوار ہوکر فوراً تفریح کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہوں۔ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں پر ہم دوست ملاقات کرتے ہیں۔ اسی طرح اکثر اوقات پرانے مقامات پر جانا اچھا لگتا ہے۔ میں تقریباً ہر پندرہ روز بعد بال بنواتا ہوں۔ حجام کا نام شیراز ہے۔ سفید فاموں کی بڑی تعداد بھی اس کی دکان کا رخ کرتی ہے جو کہ ایک ایشیائی حجام کے لیے غیرمعمولی ہے۔ والد کے علاوہ خاندان کے سب افراد ہی شیراز سے بال بنواتے ہیں۔ میں اپنے ہر مقابلے سے چار روز قبل شیراز کی دکان کا رخ کرتا ہوں کیوں کہ میں بہترین نظر آنا چاہتا ہوں۔ یہ میرے لیے انتہائی اہم ہے۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ میں نے کبھی لمبے بال نہیں رکھے۔ مجھے چھوٹے بال ہی اچھے لگتے ہیں۔ ایک باکسر اور فٹ بالر میں فرق ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی کوئی ایسا باکسر نہیں دیکھا ہوگا جس کے بال بیکہم کی طرح لمبے ہوں۔ شیراز جانتا ہے کہ مجھے کس طرح کے بال پسند ہیں۔ وہ میرے لیے رات دیر گئے تک دکان کھلی رکھتا ہے کیوں کہ اگر میں دن کے کسی اور پہر دکان کا رخ کروں تو لوگوں کا ہجوم لگ جاتا ہے۔ آخری بار جب میں بال بنوانے گیا تو ایک ایشیائی نژاد بچہ اپنے والد کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ وہ چھ یا سات برس کا رہا ہوگا۔ وہ جب بھی دکان پر آتا تو میرے بارے میں شیراز سے ضرور پوچھتا۔ میں ایک روز ہارون اور ساجد کے ہمراہ دکان کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس بچے کو دیکھ کر وہاں رک گیا لیکن وہ زیادہ پرجوش ہونے کی وجہ سے بات نہیں کرپایا اور اپنے باپ کے پیچھے چھپ گیا۔ میں نے اپنی تصویر دستخط کرکے اسے دی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس بارے میں ساری زندگی اپنے دوستوں کو بتانے کے قابل ہوگا۔

شیراز کی دکان کے سامنے رینٹ اے کار کی دکان ہے جہاں سے لوگ شادی بیاہ کے مواقع پر یا پھر ویک اینڈ کے لیے کار کرایہ پر لیتے ہیں۔ وہ چند روز کا کرایہ سات سے آٹھ سو پاؤنڈ ادا کرتے ہیں۔ بولٹن کے ایشیائی نوجوانوں میں یہ رجحان عام ہے۔ لوگ اپنے ظاہری تاثر کے لیے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی گاڑی کی مالیت ان کے گھر سے زیادہ ہے۔ ساجد کی رہائش شہر کے جنوب میں ڈربی سٹریٹ میں ہے جہاں پر انڈین مسلمانوں کی بڑی کمیونٹی بستی ہے۔ یہاں پر بہت سے ریستوران اور کپڑے کی دکانیں ہیں اور ہم اکثر یہاں کا رخ کرتے ہیں جہاں پر بہترین کھانا دستیاب ہوتا ہے۔ ایک روز ہم پانچ دوستوں نے صرف پانچ پاؤنڈ میں کھانا کھایا۔ یہ نہایت لذیذ چکن کباب تھے۔ میری ایک رشتہ دار خاتون کا شہر کے وسط میں ریستوران ہے۔ میں اکثر اوقات ان کی مدد کے لیے ریستوران پر چلا جاتا ہوں۔ یہاں پر آنے والے لوگ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیش کاؤنٹر پر عامر خان کھڑا ہے؟ اور ہم اس پر مسکرا دیتے ہیں۔

ایک بار میرا بولٹن کے ایک پرہجوم علاقے میں حادثہ ہوگیا۔ میں نے ایک راہگیر کو کچل دیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ پولیس کے پہنچنے تک لوگوں کی بڑی تعداد جائے وقوعہ پر جمع ہوگئی تھی۔ پولیس اہلکاروں نے کہا کہ میں ان کی گاڑی میں بیٹھ جاؤں، ایک گھنٹے کے اندر اندر یہ خبر مقامی ٹی وی چینلوں پر نشر ہورہی تھی۔ اگلے روز ملک کے کثیرالاشاعت اخبارات میں اس بارے میں خبریں شائع ہوئیں۔ اس سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور یہ واضح ہوگیا کہ جب اس طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں تو شہرت تحفظ فراہم نہیں کرپاتی۔ ایک یا دو گھنٹوں کے لیے میری حیثیت ایک عام شہری سے زیادہ نہیں رہی تھی اور پولیس کی پوری توجہ ٹریفک کے حادثے کی جانب تھی۔ یہ میرے لیے پریشان کن صورت حال تھی۔ مجھے چند ہفتوں بعد گلاسگو میں مقابلہ لڑنا تھا۔ خوش قسمتی سے میں بچ گیا۔ اگلے روز میں نے والد کو کال کرکے اس شخص کی خیریت دریافت کرنے کے لیے کہا اور تب یہ منکشف ہوا کہ وہ میرے کھیل کو پسند کرتا ہے۔ اس سے قبل بھی میرا ایک بار پولیس سے واسطہ پڑا تھا۔ میں اولمپکس کوالیفائنگ راؤنڈ کا اولین مقابلہ لڑنے کے بعد گھر واپس لوٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ ایک نوجوان نے مجھ پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ میں نے اس پر تشدد کیا ہے۔ پولیس اہلکار مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے لیکن میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ انہوں نے بہت سے سوال پوچھے۔ یہ کسی ڈراؤنے خواب کی طرح تھا۔ اس طرح کے الزامات آپ کی ساکھ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس نوجوان نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے لیکن یہ بے سروپا الزام تھا اور میں اسے غلط ثابت کرنے میں کامیاب رہا۔

اسی طرح جونیئر اولمپکس میں شرکت سے قبل ایک روز میں کوئنز پارک میں کچھ دوستوں کے ساتھ چہل قدمی کررہا تھا۔ ہارون بائیک پر تھا اور اس وقت اس کی عمر گیارہ بارہ برس رہی ہوگی۔ میرے چند دوستوں نے ہارون کو بازار سے انڈے لینے کے لیے بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو انہوں نے انڈوں کے ساتھ باغ میں موجود لڑکیوں کا تعاقب کرنا شروع کردیا۔ میں اس ساری سرگرمی کا حصہ نہیں بنا۔ ان میں سے ایک لڑکی میرے ساتھ سکول میں پڑھتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں مشکل میں پھنس جاؤں گا لیکن اس نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ بعدازاں اس واقعہ کے چند ہفتوں بعد پولیس ایک روز گھر پر آگئی۔ ایک لڑکی نے دست درازی کا الزام عائد کیا تھا۔ اگر ایسا ہوا تھا تو میں اس بارے میں آگاہ نہیں تھا لیکن میں یہ ثابت نہیں کرسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نے انڈے پھینکے تھے لیکن میں نے یہ حرکت نہیں کی تھی۔ مجھے اپنا بیان ریکارڈ کروانے کے لیے پولیس سٹیشن جانا تھا۔ بالآخر عدالت میں مجھ پر ہنگامہ کرنے کا الزام ثابت ہوگیا۔ اگرچہ یہ معمولی نوعیت کا جرم تھا لیکن اس کے باوجود یہ پریشانی کا باعث بنا۔ میں نے ہمیشہ خود کو اس نوعیت کی سرگرمیوں سے دور رکھا۔ میں آگاہ تھا کہ ان سے میرے کیریئر پر منفی اثرات مرتب ہوسکتے تھے۔ میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا قصور صرف یہ تھا کہ میں غلط وقت پر غلط جگہ پر موجود تھا۔ بہرحال عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اگر اگلے ایک برس تک ایسا کوئی واقعہ دوبارہ نہیں ہوتا تو مجھ پر عائد کیے گئے الزام کو واپس لے لیا جائے گا۔ والد اور والدہ خاصے پریشان ہوئے۔ یہ میرے لیے ایک اور سبق تھا۔ میں دوستوں کے انتخاب میں خاصی احتیاط کرنے لگا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے اچھی چیزوں کی وجہ سے یاد کریں۔

ایک اہم واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ پروفیشنل باکسنگ میں ڈیبیو سے چند روز قبل 7 جولائی 2005ء کو لندن

باکسنگ اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں

میرا یہ پختہ یقین ہے کہ ایک باکسر کی حیثیت سے میری کامیابی میں میری صلاحیتوں کے علاوہ مذہب کا بھی گہرا عمل دخل رہا۔ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں تشدد حرام ہے، چناں چہ باکسنگ کس طرح درست ہوسکتی ہے؟ میں اسے اس طرح نہیں دیکھتا۔ باکسنگ ایک کھیل ہے۔ اس کے کچھ اصول ہیں۔ یہ زندگی میں تنظیم پیدا کرتی ہے اور لوگوں کے احترام پر ابھارتی ہے۔ یہ قطعی طور پر اسلام سے متصادم نہیں ہے۔ جیسا کہ رمضان المبارک میں آپ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب کے درمیانی عرصے کے دوران کچھ کھا پی نہیں سکتے۔ جب آپ کسی مقابلے کی تیاری کررہے ہوں تو یہ خاصا مشکل ہوسکتا ہے۔ لیکن میں نے اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا۔ مجھے اس احساس سے تقویت ملی کہ میں خدا کے لیے قربانی دے رہا ہوں۔ میں نے اپنے ایک مقابلے کی تیاری رمضان کے دوران کی۔ اگرچہ یہ بہت مشکل تھا لیکن ذات کی نفی کرکے میں نے خدا اور کھیل سے اپنی وابستگی ظاہر کی تھی۔ میں نے ہمیشہ قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اپنے ہر مقابلے سے قبل خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہوں اور وینیو میں جانے سے قبل ہوٹل میں والدہ کے ساتھ کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ یہ میری نجی سرگرمیاں ہیں اور ان کا مقصد خود نمائی نہیں ہے۔

بم دھماکوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ یہ لندن میں دوسری جنگ عظیم کے بعد دہشت گردی کی بدترین کارروائی تھی جس میں درجنوں افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو گئے۔ میں بولٹن کے ایک باکسر سے ایشیائی نوجوانوں کے ترجمان کے طور پر ابھرا۔ دہشت گردوں میں سے تین پاکستانی نژاد تھے جس کے باعث لوگ مجھ سے بم دھماکوں کے بارے میں بات کرنا چاہتے تھے۔ میں ایک کھلاڑی اور ایک باکسر تھا اور سیاست سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں یہ کس طرح جان سکتا تھا کہ چار نوجوان کیوں کر اپنا اور معصوم انسانوں کا خون بہانا چاہتے تھے؟ مجھے معلوم نہیں ہے کہ کوئی شخص ایسا کیوں کرنا چاہے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں ایک مشہور شخص تھا، ایشیائی تھا اور دہشت گردوں کا تقریباً ہم عمر تھا۔ میرے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا کیوں کہ اگر میں اس صورت حال کو نظرانداز کرنے کی کوشش کرتا تو لوگ یہ تصور کرتے کہ میں دہشت گردوں کی سوچ سے متفق ہوں۔ میں ایسا کوئی پیغام نہیں دینا چاہتا تھا اور نہ ہی اس طرح کے لوگوں کے ساتھ خود کو منسلک کرنا چاہتا تھا۔ وہ غلط تھے اور ان کی ذہن سازی کی گئی تھی۔ میں دنیا پر صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ تمام ایشیائی قاتل اور دہشت گرد نہیں ہیں۔ میں نے لندن بم دھماکوں میں ہلاک ہونے والے برطانوی شہریوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا۔

میں اپنے پروفیشنل ڈیبیو کے روز برطانوی پرچم کے ہمراہ رنگ میں اترا تاکہ لوگوں کو یہ دکھا سکوں کہ میری طرح دوسرے ایشیائی نوجوان بھی برطانوی شہری ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ حاضرین میں میرے تمام دوستوں نے بڑے پرچم اٹھا رکھے تھے جن پر دہشت گردی کی مذمت میں نعرے درج تھے۔ میں نے اپنا یہ مقابلہ دہشت گردی کے واقعہ میں ہلاک ہونے والے معصوم شہریوں کے نام کیا جس کے بعد سے میرے ہر مقابلے میں لوگ میری بھرپور پذیرائی کرتے ہیں اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کس مذہب یا نسل سے تعلق رکھتے ہیں، وہ میرا نام پکارتے ہیں جس کے باعث میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ وہ رات میرے لیے ناقابل فراموش رہے گی جب میں ایک برطانوی باکسر سے مقابلہ کر رہا تھا اور حاضرین میرے حق میں نعرے بلند کر رہے تھے۔

بولٹن کی تقریباً سات فی صد آبادی ایشیائی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ میں نے کبھی کسی کو ایسی گفتگو کرتے نہیں سنا جس سے دوسرے مذاہب کے بارے میں عدم رواداری کا تاثر ملتا ہو۔ میں جب بھی پاکستان جاتا ہوں تو یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ میں انگلینڈ سے تعلق رکھتا ہوں۔ لندن بم دھماکوں کے بعد مجھ پر یہ ادراک ہوا کہ عامر خان ایک علامت کے طور پر کس قدر تیزی سے ابھر رہا ہے۔ مجھ پر یہ عیاں ہوا کہ میں مختلف چیزوں کے بارے میں آگاہی پیدا کرنے کے لیے اپنا نام اور شہرت استعمال کر سکتا ہوں۔ میں صرف ایک باکسر نہیں رہا تھا، اگرچہ میں نے یہ کردار خود منتخب نہیں کیا تھا لیکن اسے بلا چون و چرا قبول کر لیا تھا۔ اس مقابلے کے بعد تمام اخبارات نے میرے بیان کو شائع کیا۔ ایک مسلمان نوجوان کی مثبت انداز میں کوریج کی گئی تھی۔

ہر روز اخبارات اور ٹی وی پروگراموں میں مسلمانوں کے بارے میں منفی تاثر پیش کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والے مختلف واقعات کے باعث اہل مغرب مسلمانوں کو مذہبی انتہا پسند تصور کرنے لگے ہیں اور ان سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک امن پسند مذہب ہے۔ اس کے باوجود جب آپ ٹی وی آن کرتے ہیں تو آپ کو مسلمانوں سے متعلق قتل و غارت کی خبریں ہی سننے کو ملتی ہیں۔ امریکہ میں 2001ء میں جو کچھ ہوا، اس کے بعد برطانیہ میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ میں اس وقت بہت کم عمر تھا لیکن آگاہ تھا کہ کچھ بڑا ہوا تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگلی باری لندن کی ہو گی جس کے باعث ایشیائی کمیونٹی کی مشکلات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کچھ ایسا ہی لندن بم دھماکوں کے بعد ہوا۔ یہ صورت حال شمالی آئرلینڈ کے حالات سے مماثلت رکھتی ہے جہاں پر عیسائیوں کے دو فرقے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر جگہ پر اسی طرح ہی ہیں۔

اسلام کی مقدس ترین کتاب قرآن میں امن کا درس دیا گیا ہے۔ یہ اسلام کا وہ پیغام ہے جو مسلمان بچوں کو کم عمری میں سکھایا جاتا ہے۔ بہت سے عیسائیوں نے بائبل کا مطالعہ نہیں کیا لیکن مسلمان بچوں کو قرآن پڑھانے کی روایت مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ بولٹن کی سینٹ جارج روڈ پر قائم مدینہ مسجد شہر کی قدیم ترین مساجد میں سے ایک ہے اور اس کے بالکل سامنے ایک گرجا گھر ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح مختلف مذاہب کے لوگ پرامن طریقے سے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ میں خود کو ایک مذہبی شخص تصور کرتا ہوں۔ میں ایک خدا پر یقین رکھتا ہوں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بنیادی طور پر اس کا مطلب ایک اچھا انسان بننا اور دوسروں کی مدد کرنا ہے۔ مدینہ مسجد سے متعدد بار یہ پیغام دیا جا چکا ہے کہ دہشت گردی غلط ہے۔ میں اہل مغرب سے نفرت کرتے ہوئے بڑا نہیں ہوا۔ مجھے ہر ایک کا احترام کرنا سکھایا گیا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کس مذہب یا نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ورلڈ کپ کے دنوں میں بہت سے ایشیائی باشندوں کو اپنی گاڑیوں پر برطانوی پرچم لہراتے ہوئے دیکھا۔ چیزیں تبدیل ہو رہی ہیں لیکن لوگوں کی طرز فکر بدلنے کے لیے مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ کھیلوں کے باعث میں کمیونٹی کے ہر فرد تک پہنچ سکتا ہوں جو ایک سیاست دان کے لیے ممکن نہیں۔ میں بچوں اور نوجوانوں کے لیے ایک ہیرو ہوں۔ میں سیاست میں دلچسپی نہیں رکھتا لیکن میری خواہش ہے کہ میں تبدیلی لاؤں۔

میرے پسندیدہ باکسر محمد علی ہیں۔ میں ان کی طرح بننا چاہتا ہوں کیوں کہ وہ ایک شاندار باکسر تھے۔ بعدازاں جب میں نے ان کے متعلق ویڈیوز دیکھیں اور کتابیں پڑھیں تو مجھ پر یہ واضح ہوا کہ کس طرح وہ اسلام کی جانب راغب ہوئے۔ اس سے محمد علی کا تاثر ایک مختلف طرز کے سیاسی رہنما کے طور پر ابھرتا ہے۔ انہوں نے ویت نام جنگ میں شرکت سے انکار کر دیا تھا کیوں کہ اسلام بے گناہوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ باکسنگ کی وجہ سے کئی بار ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جن سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ایک بار میں گاڑی میں بیٹھا تھا جب ایک خاتون میری جانب بڑھی اور پیشانی کا بوسہ لیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ میرے لیے ہمیشہ دعا گو رہتی ہے اور ایک بیٹے کی طرح مجھ سے محبت کرتی ہے۔ وہ ایک مسلمان عورت تھی جو میرے حوالے سے پرامید تھی۔ اس سے مجھے نیا عزم و ولولہ حاصل ہوا۔

بولٹن میں نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ مجھ سے اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے کہا گیا۔ یہ میرے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میں اپنی کمیونٹی کے لیے کس طرح رول ماڈل کی حیثیت اختیار کر چکا ہوں۔ یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ میں ہر روز ایک اچھا انسان اور مسلمان بننے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں منشیات کا استعمال نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ میرے لیے یہ تصور کرنا بھی مشکل ہے کہ میں مشہور لوگوں کی طرح غلط راستے کا انتخاب کروں۔ میرا خاندان اور مذہب یہ کبھی نہیں ہونے دے گا۔ جب میں باکسنگ میں اپنا کیریئر ختم کروں گا تو میرے بیٹے نئی مسجد میں جائیں گے اور قرآن کا مطالعہ کریں گے۔ یہ ان کے لیے ایک مثبت احساس ہو گا جب وہ میرا نام مسجد کے سنگ بنیاد پر پڑھیں گے۔